تدبّر

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن وحدیث

لاہور۔ پاکستان

اہم اعلان

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل معرکۃ الآراء تصانیف کے مکمل نظرثانی شدہ جدید ایڈیشن الحمدللہ شائع ہو گئے ہیں:

- ○ دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار -/۳۳ روپے
- ○ حقیقتِ نماز -/۱۸ روپے ○ حقیقتِ تقویٰ -/۱۸ روپے
- ○ حقیقتِ شرک و توحید -/۵۶ روپے
- ○ مبادیٔ تدبرِ قرآن -/۳۶ روپے
- ○ قرآن میں پردے کے احکام -/۴ روپے
- ○ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام -/۳۶ روپے

علاوہ ازیں ان کی مندرجہ ذیل کتب بھی تیاری کے مختلف مراحل میں ہیں جو ان شاء اللہ جلد دستیاب ہوں گی:

- ○ تزکیۂ نفس ۔ جلد دوم
- ○ مبادیٔ تدبرِ حدیث
- ○ اسلامی قانون کی تدوین
- ○ اسلامی ریاست
- ○ مجموعہ تفاسیرِ فراہی
- ○ مقالاتِ اصلاحی

فاران فاؤنڈیشن
۱۲۲۔ فیروزپور روڈ لاہور ۵۴۶۰۰
فون: ۲۷۳۴۷۷

سلسلہ نمبر ۲۷ رجب ۱۴۰۹ھ فروری ۱۹۸۹ء

تدبّر

فہرستِ مضامین

تذکرہ و تبصرہ

پس چہ باید کرد! — خالد مسعود ۳

تدبرِ قرآن

تفسیر سورۃ انعام (۲) — خالد مسعود ۷

تدبرِ حدیث

زکوٰۃ — امین احسن اصلاحی/سعید احمد ۱۴

سبعۃ احرف — خالد مسعود ۲۲

افاداتِ فراہی

حکمتِ قرآن (۶) — خالد مسعود ۳۰

مقالات

حضرت یونسؑ اور واقعۂ حوت — سید شیر محمد ۳۷

مراسلہ و مذاکرہ

انسانی فطرت کی خصوصیات — امین احسن اصلاحی/خالد مسعود ۴۴

علامہ اقبال اور حقیقتِ وحی — امین احسن اصلاحی/خالد مسعود ۴۵

تبصرۂ کتب

علوم القرآن — عبداللہ غلام احمد ۴۶

مجلہ سالانہ — " ۴۷

عظمت کے پھول — " ۴۸

مجلسِ ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سبحانی

ناشر : ——— ادارہ تدبر قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور - ۲۵
مطبع : ——— المطبعة العربية - لاہور
قیمت ۵/۰ روپے

خالد مسعود

پس چہ باید کرد!

تدبر کے گزشتہ شمارے کی اشاعت کے بعد پاکستان اہم سیاسی تبدیلیوں سے گزرا ہے۔ ماہ نومبر میں ہونے والے انتخابات کے لیے نہایت زوردار مہم چلی، متعدد سیاست دانوں کی سیاسی وفاداریوں میں تبدیلی آئی، کئی سیاسی جماعتیں انتشار کا شکار ہوئیں، سابق حریفوں کے درمیان اتحاد کا ڈول ڈالا گیا، الیکشن ہوئے جن کے نتیجے میں مرکز اور صوبہ سندھ و سرحد میں پیپلز پارٹی اقتدار میں آئی، پنجاب میں اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت بنی اور صوبہ بلوچستان میں ایک مخلوط حکومت قائم ہوئی اور ضمنی انتخابات ہوئے۔ اس وقت حکومتوں کو وجود میں آئے کافی وقت گزر چکا ہے۔ اس کے باوجود انتخابات کی آندھی کی گرد بیٹھنے میں نہیں آرہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نتائج سے اہل سیاست کی ضرورت پوری ہوئی ہے اور نہ عوام کو اطمینان حاصل ہوا ہے۔

سابق صدر مملکت ضیاء الحق مرحوم نے جب مسلم لیگ کی حکومت کو برخاست کیا تو اس کے ساتھ اس کو نا اہل اور بددیانتی کا سرٹیفکیٹ بھی عنایت کر دیا۔ لیکن جب عبوری حکومت بنائی تو پھر انہی ناپسندیدہ ارکان میں سے بعض کو حکومت میں دوبارہ لے لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ میں پھوٹ پڑ گئی اور سابق وزیر اعظم اپنی خدمات کے حوالہ سے کوئی بات کرنے کے قابل نہ رہے۔ جب مسلم لیگ کی دھڑے بندیوں کے درمیان اتفاق کی صورت پیدا نہ ہوئی، اور انتخابات سامنے نظر آنے لگے تو کئی موقع شناسوں نے اس صورت حال میں مسلم لیگ کی شکست اور پیپلز پارٹی کی فتح کے آثار دیکھ لیے اور بلا تاخیر اس پارٹی میں شامل ہو گئے۔ مسلم لیگیوں نے جب ہوش کے ناخن لیے تو وہ بہت سا میدان کھو چکے تھے تاہم انہوں نے دوڑ دھوپ کر کے پیپلز پارٹی کی یلغار کے سامنے چھوٹی جماعتوں کی مدد سے بند باندھنے کی کوشش کی۔ یہ کوشش چونکہ بروقت نہ کی گئی تھی اس لیے اس کے نتائج بہت زیادہ حوصلہ افزا نکلے۔

تاہم وہ صوبائی سطح پر کسی قدر حصہ بٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ بڑی کامیابی پیپلز پارٹی ہی کے حصہ میں آئی۔

پیپلز پارٹی کا سابق دورِ حکومت ملک کی اکثر آبادی کی نگاہوں میں نہایت جابرانہ تھا، اس میں لاقانونیت روا رکھی گئی تھی، اقتصادی پالیسیوں میں غلط فیصلے کیے گئے جن کے نتائج سے ملک اب تک اپنے آپ کو نہیں بچا سکا، اسلامیات کی تعلیم کے میدان میں علاشیعوں پر انحصار کیا گیا جنہوں نے اپنی مرضی کی تعلیم بچوں کو دلوائی، حکومت کا طرزِ فکر اسلامی سے زیادہ سیکولر تھا۔ اس لیے اسلام کے حق میں دستور جن اقدامات کا تقاضا کرتا تھا عملی طور پر حکومت کے اندر ان کے لیے کوئی رغبت نہ تھی۔ اس کے باوجود وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت کا سحر ایسا تھا کہ ملک کا ایک معتدبہ طبقہ۔ جس میں اکثریت ان پڑھ اور غریب عوام کی تھی۔ ان کا گرویدہ ہو گیا۔ اس طبقہ کے مسائل تو حل نہ ہوئے لیکن پارٹی ان کو یہ تاثر دینے میں پوری طرح کامیاب ہو گئی کہ وہ انہی کی پارٹی ہے اور انہی کی بہبود کے لیے کام کر رہی ہے۔ شخصیت کا یہی سحر پیپلز پارٹی کا اصل سرمایہ ہے لہٰذا اس کے حامی طبقہ کے نزدیک یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ پارٹی کا سربراہ کون ہے، نظریۂ پاکستان کے تحفظ کے لیے اس کی خدمات کیا ہیں، اسلام کا درد اس کے اساطین میں کس قدر پایا جاتا ہے، اس کی قومی سطح کی پالیسیاں کیا ہیں: غالب کی ہے تو واہ واہ! کا سا معاملہ ہے۔ بس اسی سرمایہ کو کام میں لا کر پیپلز پارٹی میدان میں اتری اور لوگوں کی توقعات سے بڑھ کر کامیاب رہی۔

پیپلز پارٹی کی مخالف بیشتر جماعتیں عوام پر کوئی بھی اثر ڈالنے میں بالکل ناکام ہو گئیں۔ ان کو عوام نے کسی علاقے میں بھی لائق اعتبار نہیں سمجھا۔ لہٰذا الیکشن کے بعد وہ معدوم کے حکم میں ہیں اور ان کے لیڈر بھی منقار زیر پر ہیں۔ بعض جماعتیں گنتی کی چند سیٹیں حاصل کر کے اسمبلیوں میں پہنچی ہیں۔ وہ موثر نہ بھی ہوں تاہم اپنے وجود کا ثبوت مہیا کر رہی ہیں۔ اسلامی جمہوری اتحاد بحیثیت گروپ خاصی اہمیت کا حامل ہے اور پیپلز پارٹی کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ اتحاد کی انتخابی مہم میں یہ محسوس کیا گیا کہ انہوں نے کوئی مثبت بات کہنے کے بجائے منفی انداز اختیار کیا جس کے نتیجے میں وہ عوام پر اپنی شرافت، اصول پسندی، جذبۂ خدمت اور اسلام کے ساتھ گہری وابستگی کا تاثر قائم نہ کر سکے لہٰذا پیپلز پارٹی کے لیے لوگوں کی دلچسپی میں کمی نہ آئی اور وہ انتخابات سے بھرپور فصل کاٹنے میں کامیاب رہی۔

اس وقت ہمارے دینی رسائل میں عورت کی سربراہی کے مسئلہ پر دادِ تحقیق دی جا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم کسی پر ڈھکی چھپی نہیں کہ اسلام عورت کی سرگرمیوں کو گھر کے دائرے تک

محدود کرتا ہے اور خود گھر کے اندر بھی اس کو سربراہ قرار نہیں دیتا بلکہ مرد کو یہ ذمہ داری سونپتا ہے کہ وہ گھر کے تمام معاملات کی نگرانی کرے۔ اسلام کی یہ تعلیم اس قدر واضح ہے کہ اگر اس میں کچھ بھی گنجائش ہوتی تو صدرِ اول کے مسلمان صحابیات کو سیاستِ ملکی میں دخیل ہونے کا موقع فراہم کرتے جبکہ ان کے اندر بعض خواتین کی وسعتِ معلومات، معاملہ فہمی اور اصابتِ رائے یقیناً اس پایہ کی تھی کہ وہ بہت بڑا مقام حاصل کرنے کی اہلیت رکھتی تھی۔ یہ تعلیم انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور وہ لوگ جو آج عورت کی سربراہی کی گنجائش پیدا کرنے کی فکر میں ہیں وہ بھی یقیناً اپنے گھروں میں اپنی بیگمات کو سربراہ ماننے کے حق میں نہیں ہوں گے۔ وہ اگر ایک خلافِ فطرت بات کو ماننا چاہتے ہیں تو اس حقیقت کا منہ کس طرح چڑائیں گے کہ ترقی یافتہ اقوام ہوں یا جنوبی امریکہ اور افریقہ کے نیم وحشی قبائل، سب کے سب سربراہی کا مقام بہرحال مرد کو سونپتے ہیں، اگرچہ وہ اسلام کا کوئی درد سینے میں نہیں رکھتے! یہ امرِ واقعی کہ کسی حادثہ کے نتیجہ میں خواتین کبھی کسی ریاست میں سربراہی کے مقام تک پہنچ گئی ہیں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اسلام کی تعلیم غلط ہے یا فطرتِ انسانی میں عورت کے اس مقام کی گنجائش ہے۔ یہ متفرق حوادث ہیں جو کبھی اصول کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ اگر یہ استدلال صحیح مان لیا جائے تو کل آپ یہ بھی دعویٰ کر سکتے ہیں کہ فلاں فلاں غیر فطری گناہ جن سے اسلام نے روکا ہے فلاں معاشرے میں رائج رہ چکے ہیں اور فلاں سوسائٹی میں ان کے مرتکبین کو قانونی تحفظ حاصل رہا ہے لہٰذا اسلام کا حکم بلاوجہ نافذ کیا گیا ہے۔ ایسی دانش پر آپ کو کوئی داد نہیں دے سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے وہ کبھی زیادتی پر مبنی نہیں ہوتا۔ قوم کو وہی کچھ دیا جاتا ہے جس کی وہ بحیثیتِ مجموعی اہل ہوتی ہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد قومی سطح پر کبھی یہ سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی کہ اسلام کو زندگیوں میں داخل کرنے کی تدبیر کی جائے یا امورِ مملکت میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ اسلام پر عمل کو مذہبی لوگوں کا انفرادی معاملہ سمجھ لیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ ملک میں اسلام کو ایک ثانوی حیثیت حاصل ہوتی اور قومی اور دوسری مصلحتوں کے تابع ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری حکومت سیکولر ذہن کی نمائندہ ہے اور اس کے ایوانوں میں اسلام کی پذیرائی کبھی نہیں ہوئی حالانکہ مختلف پارٹیاں اور شخصیتیں برسرِ اقتدار رہی ہیں۔

اس صورتِ حال میں حادثہ یہ پیش آیا کہ مذہبی جماعتوں نے، جن کا اوڑھنا بچھونا بظاہر اسلام تھا، اسی موقف کو تقویت پہنچائی اور اپنی ترجیحات میں دین کو موخر کر دیا۔ چنانچہ صدر ایوب خان کے مقابل میں جب محترمہ فاطمہ جناح کو صدارت کے امیدوار کے طور پر پیش کیا گیا تو اہلِ مذہب نے دین کی تعبیر اس طرح کر دی کہ ان کی تائید کی راہ میں اسلام مزاحم نہ ہونے پائے۔ بعد کے ادوار میں جب اسلام اور

جمہوریت میں ترجیحات کا سوال پیدا ہوا تو مذہبی جماعتوں نے جمہوریت کو پہلی ترجیح قرار دیا اور علانیہ یہ کہا کہ ایک مرتبہ جمہوریت کی مہم سر کر لی جائے گی تو پھر اسلام کی باری آئے گی۔ تحریک بحالی جمہوریت میں کیا دینی جماعتیں شامل اور پیپلز پارٹی کے ہم رکاب نہ تھیں؟ کیا وہ اس وقت اس بات سے بے خبر تھیں کہ اس پارٹی کی زمام کار خواتین کے ہاتھوں میں ہے اور جمہوری نظام میں فتح کی صورت میں وہی برسرِ اقتدار آئیں گی؟ بدقسمتی سے یہ دو رنگی ہماری قوم کا شعار بن چکی ہے۔ ہمارے نزدیک ملک پر عورت کی حکومت کی جو آفت آئی ہے وہ اسی دو رنگی کا شاخسانہ ہے۔ اگر اہلِ سیاست میں سے کم از کم علماء ہی اسلام کو اوّل ترجیح کے قابل سمجھتے تو شاید ہمارے ہاں قومی مزاج اس سے مختلف ہوتا جیسا اب ہے۔

عورت کا مزاج فاعلانہ نہیں منفعلانہ ہوتا ہے جبکہ حکومت فاعلانہ مزاج کی متقاضی ہوتی ہے۔ عورت کی اس مزاجی خصوصیت کا مظاہرہ ہماری وزیر اعظم گزشتہ چند ہفتوں ہی میں اس طرح کر چکی ہیں کہ دنیا بھر کے اخبار نویس اور سارک کی تنظیم کے ارکان ممالک کے سربراہ تک اس کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اندرونِ ملک ان کی پالیسیوں میں اس مزاج کی نمود ہر کسی کو نظر آ رہی ہے۔ یہ چیز مستقبل میں زیادہ کٹھن معاملات میں کیا رنگ لائے گی، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم یہ محبِ وطن افراد کے لیے خاصی فکرمندی کا باعث ہے۔ وہ اس بات سے اطمینان حاصل نہیں کر سکتے کہ دنیا میں حکمرانی کرنے والی چند عورتوں کے نام گنا دیے جائیں اور نہ اس طرزِ فکر سے ان کو دل جمعی نصیب ہو سکتی کہ جب ہم زندگی میں کئی دوسرے منکرات کو برداشت کر رہے ہیں تو ایک یہ بھی سہی۔ اہل دین کا کام انکارِ منکر ہے نہ کہ اس کی سنگینی کو گھٹا کر پیش کرنا۔ اب اس امر کی ضرورت ہے کہ دینی سیاسی جماعتیں اپنی ترجیحات پر نظرِ ثانی کریں اور وقتی مصلحتوں کو قربان کر کے ایک ایسی فضا بنانے کی جدوجہد کریں جس میں کسی منکر کو سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔ اہلِ دین پر واجب ہے کہ وہ عورت کی حکمرانی کی مضرتوں سے قوم کو آگاہ کریں۔ جب ہماری اجتماعی سوچ میں تبدیلی آئے گی تو اللہ تعالیٰ ہمیں یقیناً اس طرح کی آفتوں سے حفاظت میں رکھے گا۔ مسلم لیگ جو اسلام کا دم بھرتی ہے اس کو بھی مؤثر کرنے کے لیے اہل دین کے موقف میں یہ تبدیلی نہایت ضروری ہے ورنہ اہل سیاست ان کو اپنے جلو میں لیے پھریں گے، ان سے اپنے حق میں نعرے لگوائیں گے، ان سے اپنی شرائط بر خدمت بس گے اور بالآخر معاشرہ میں ان کو بے وقعت اور بے وقار کر دیں گے اور اسلام کی حکمرانی کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس انجام سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

تدبرِ قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورۂ انعام (۲)

اور ان میں ایسے بھی ہیں جو تمہاری بات پر کان لگاتے ہیں لیکن ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے[۱۴] کہ اس کو نہ سن سکیں اور اگر وہ ہر قسم کی نشانیاں دیکھ لیں گے تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب یہ تمہارے پاس حجت کرتے آئیں گے تو یہ کافر کہیں گے کہ یہ تو بس اگلوں کا فسانہ ہے[۱۵] اور یہ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی گریز کرتے ہیں اور یہ درحقیقت اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں لیکن احساس نہیں کر رہے ہیں۔ اور اگر تم اس وقت کو دیکھ پاتے جب یہ دوزخ کے کنارے پر کھڑے کیے جائیں گے، پس کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس کیے جائیں کہ مانیں اور اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کریں اور ایمان والوں میں سے بنیں۔ بلکہ یہ تو ان پر وہی حقیقت ظاہر ہوئی ہے جو اس سے پہلے اپنے دل میں چھپاتے تھے اور اگر یہ لوٹائے جائیں تو وہی کریں

---

[۱۴] یہاں جس حجاب اور جس بہرے پن کا ذکر ہے وہ معنوی اور روحانی حجاب اور گرانی ہے جو دلوں اور کانوں کو سننے اور سمجھنے کی اس صلاحیت سے محروم کر دے، جو انسانیت کا اصل خاصہ ہے۔ جس سے محروم ہو کر انسان چوپایہ بلکہ چوپائے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

[۱۵] قرآن جب عربوں کو متنبہ کرتا تھا کہ تمہارے اندر خدا کا رسول آ چکا ہے اور اگر تم نے اس کی بات نہ سنی تو تم بھی اسی طرح فنا کر دیے جاؤ گے جس طرح پیشرو قومیں فنا کر دی گئیں تو ان کے پندار پر سخت چوٹ پڑتی تھی۔ وہ غصے میں کہتے کہ قوموں کا عروج و زوال تو گردشِ روزگار کے کرشمے ہیں۔ قرآن نے جو کچھ کہا ہے یہ پچھلی قوموں کے کچھ بے سروپا افسانے ہیں۔

گے جس سے روکے گئے۔[۱۶] یہ بالکل جھوٹے ہیں ٥ ۲۸
کہتے ہیں کہ زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور مرنے کے بعد ہم اٹھائے نہیں جانے کے[۱۷] ٥
اور اگر تم دیکھ پاتے اس وقت کو جب یہ اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے، وہ ان سے پوچھے
گا، کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے؟ وہ جواب دیں گے۔ ہاں، ہمارے رب کی قسم، یہ امر واقعہ ہے! فرمائے
گا پس چکھو عذاب اپنے کفر کی پاداش میں ٥ گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملاقات
کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب وہ گھڑی اچانک آ پہنچے گی وہ کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری اس
کوتاہی پر جو اس باب میں ہم سے ہوئی! اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ آگاہ
کیا ہی برا ہوگا وہ بوجھ جس کو یہ اٹھائے ہوئے ہوں گے[۱۸] ٥ اور یہ دنیا کی زندگی تو بس کھیل تماشا ہے
البتہ دارِ آخرت ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ رکھتے ہیں۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں ٥ ۳۲
ہم آگاہ رہے ہیں کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے تم کو غم ہوتا ہے تو صبر کرو، یہ تو تمہیں نہیں جھٹلا
رہے ہیں بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں ٥ اور تم سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا تو
انہوں نے جھٹلائے جانے اور ایذا دیے جانے پر صبر کیا۔[۱۹] یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی۔ اللہ

---

۱۶ اگر وہ پھر لوٹائے جائیں تو وہی کریں گے جس سے وہ روکے گئے ہیں اس لیے کہ ان کی تکذیب کی علت یہ نہیں تھی کہ اصل حقیقت ان پر واضح نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر سچا ہے، قرآن حق ہے، جزا و سزا شدنی ہے لیکن حبِ دنیا، غرور اور حسد کے حجابات نے ان کی آنکھیں نہ کھلنے دیں۔ اب اگر دنیا میں جائیں گے تو جس طرح دل کی شہادت کے خلاف پہلے حق کو جھٹلاتے رہے ہیں اسی طرح پھر اس کو جھٹلائیں گے اور اس مشاہدے کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک ڈراؤنا خواب قرار دے لیں گے۔

۱۷ یہ منکرینِ قیامت کا انجام بیان ہو رہا ہے جو اس دنیا کی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے تھے اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے یا تو قائل ہی نہ تھے یا اس کو بہت ہی بعید از قیاس و امکان چیز سمجھتے تھے۔ جب یہ سب اپنے رب کے حضور لا کھڑے کیے جائیں گے تو ان سے سوال ہوگا کہ تمہارا یہ دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا اور قیامت کا آنا ایک امر واقعہ ثابت ہوا یا نہیں؟ اس وقت ان سے انکار ممکن نہ ہوگا۔

۱۸ یعنی جب قیامت کی گھڑی اچانک آ دھمکے گی تو یہ حسرت سے اپنے سر پیٹیں گے اور کہیں گے ہم نے دنیا کی زندگی پر ریجھ کر اس دن کی تیاریوں میں جو کوتاہی کی اس پر افسوس! اس دن ان کی تصویر یہ ہوگی کہ سب اپنے اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے نہ ان کے ساتھ ان کے اعوان و انصار ہوں گے نہ شرکاء و شفعاء۔

۱۹ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسکین و تسلی کا نہایت دلنواز مضمون ہے مطلب یہ ہے کہ کفار کی اس

کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور پیغمبروں کی کچھ سرگزشتیں تو تمہیں پہنچ ہی چکی ہیں ٥ ۳۴
اور اگر ان کا اعراض تم پر گراں گزر رہا ہے تو اگر تم زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی زینہ
ڈھونڈ سکو کہ ان کے پاس کوئی نشانی لا دو تو کر دیکھو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر
دیتا تو تم جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے[۲۰] نہ بنو ٥ بات تو وہی مانیں گے جو سنتے سمجھتے ہیں!
رہے یہ مردے[۲۱] تو اللہ ان کو اٹھائے گا پھر یہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ٥ ۳۶
اور یہ کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ ان سے
کہہ دو کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی اتار دے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ٥ اور کوئی جانور
نہیں جو زمین پر چلتا ہو اور کوئی پرندہ نہیں جو فضا میں اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہو مگر یہ سب
تمہاری ہی طرح امتیں ہیں[۲۲]۔ اور ہم نے اپنی کتاب میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر یہ سب
اپنے پروردگار کے حضور اکٹھے کیے جائیں گے ٥ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا یہ بہرے اور گونگے
تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سیدھی
راہ پر لگا دیتا ہے ٥ ۳۹

تمام خاک بازی اور استہزاء کے ہدف تنہا تم ہی تو نہیں ہو اصل ہدف تو ہم اور ہماری کتاب ہے۔ پھر تم اپنے دل کو آزردہ کیوں کرو، معاملے کو ہم پر چھوڑ دو۔ انبیاء کو سنت اللہ کے تحت ابتلاء و امتحان کے ایک طویل اور صبر آزما مرحلے سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔

۲۰ ان آیات میں بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب ہے لیکن حقیقت میں اس کا رخ تمام تر ان ہٹ دھرموں کی طرف ہے جن کے ایمان کی آرزو میں آپ چاہتے تھے کہ ان کی طلب کے مطابق کوئی معجزہ دکھا ہی دیا جائے۔ فرمایا تم کوئی معجزہ لا سکو تو لا دو۔ ہم تو معجزوں کے بل پر دلوں کے اندر ایمان اتارنے کے حق میں نہیں ہیں۔ اگر جبر اور زور سے لوگوں کو ہدایت پر جمع کرنا مقصود ہوتا تو ہمارے لیے یہ کیا مشکل کام تھا؟

۲۱ مراد عقل اور دل کے مردے ہیں اس لیے کہ زندگی درحقیقت عقل اور دل ہی کی زندگی ہے۔

۲۲ جملے میں فصیح عربی کے قاعدے سے بعض مقابل الفاظ حذف ہیں جن کو ترجمہ میں کھول دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ نشانی مانگنے والوں کے لیے کیا زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور فضا میں اڑنے والا ہر پرندہ ایک نشانی نہیں ہے۔ ان کے اندر اجتماعی ہستی کا شعور، نوعی وجود کے بقاء و تحفظ کا جذبہ، اعلیٰ تقسیم کار اور مضبوط نظام امر و طاعت کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے پیچھے کوئی خالق و مدبر ہے۔ اور اس نظام کے پیچھے ایک عظیم غایت

کہہ دو، بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا قیامت آدھمکے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو ۝ بلکہ اسی کو پکارو گے تو وہ دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کے لیے تم اس کو پکارتے ہو اگر چاہتا ہے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان کو بھول جاتے ہو[۲۳] ۝ ۴۱

اور ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سی امتوں کے پاس اپنے رسول بھیجے پس ان کو مالی اور جسمانی تکالیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ خدا کے آگے جھکیں ۝ تو کیوں جب ہماری پکڑ آئی وہ خدا کی طرف نہ جھکے بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کی نگاہوں میں اسی عمل کو کھبا دیا جو وہ کرتے رہے تھے ۝ تو جب انہوں نے فراموش کر دیا اس چیز کو جس سے ان کو یاد دہانی کی گئی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر اترانے لگے جو انہیں دی گئی تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا[۲۴]۔ وہ بالکل ہک دک رہ گئے ۝ پس ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا اور شکر کا سزاوار حقیقی اللہ ہے تمام عالم کا رب[۲۵] ۝ ۴۵

کہو، بتاؤ اگر اللہ تمہارے سمع و بصر کو سلب کر لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا

ہے جس کا ظہور قطعی ہے۔

۲۳ یہ توحید کی ایک انفسی دلیل ہے۔ انسان کی فطرت میں ایک ہی خدا کی شہادت موجود ہے، دوسرے اصنام و آلہہ جن کو وہ مانتا ہے، ان کی کوئی شہادت اس کی فطرت کے باطن میں نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے جب زندگی میں کوئی اصل آزمائش کا مرحلہ پیش آتا ہے تو انسان فرضی سہاروں کو بھول کر صرف ایک خدا کو پکارتا ہے۔

۲۴ ان آیات میں بھی سنۃ اللہ بیان ہوئی ہے کہ جب قومیں ایمان لانے کی شرط نشانیٔ عذاب کو ٹھہراتی رہیں تو ان کو ایمان کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو نرم کرنے اور ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ان کو مختلف مالی و جسمانی آزمائشوں میں مبتلا کیا لیکن انہوں نے ان سے سبق لینے کے بجائے ان کو اتفاقی حوادث پر محمول کر کے بالکل نظر انداز کر دیا۔ ان کی اس سرکشی کے بعد خدا نے ان کو پوری ڈھیل دے دی۔ ہر راہ میں ان کو کامیابی ہی کامیابی نظر آنے لگی۔ جب کامیابیوں کے نشے نے ان کو بدمست کر دیا تو دفعۃً خدا کے عذاب نے ان کو آدبوچا۔

۲۵ مطلب یہ ہے کہ رحمان و رحیم رب یہ کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ وہ اپنے چمن میں ایک ایسے درخت کو جگہ گھیرے رکھنے کے لیے چھوڑ دے جس کی زہریلی ہوا اور جس کے مسموم برگ و بار پورے چمن کو غارت

کون معبود ہے جو اس کو واپس لادے[۲۶]۔ دیکھو کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں، پھر بھی وہ اعراض کر رہے ہیں ۝ پوچھو، بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر بے خبری میں اچانک آدھمکے یا ڈنکے کی چوٹ آئے تو ظالموں کے سوا اور کون ہلاک ہوگا[۲۷] ۝ اور ہم رسولوں کو تو خوش خبری دینے والے خبردار کرنے والے ہی بنا کر بھیجتے ہیں تو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اصلاح کر لی تو ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی غم ہوگا اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان کی نافرمانی کی پاداش میں ان کو عذاب پکڑے گا ۝ ۴۹

کہہ دو، میں تمہارے سامنے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا اور نہ یہ دعویٰ کرتا کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر آتی ہے[۲۸]۔ کہہ دو کیا اندھے اور بینا دونوں یکساں ہو جائیں گے؟ کیا تم غور نہیں کرتے ۝ ۵۰

اور تم اسی کے ذریعے سے خبردار کر دو ان لوگوں کو جو ڈر رکھتے ہیں اس بات کا کہ وہ اپنے رب کے پاس اکٹھے کیے جائیں گے اس حال میں کہ اس کے سامنے نہ ان کا کوئی حامی ہوگا نہ شفیع، تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں ۝ ۵۱

اور تم ان لوگوں کو اپنے سے دور کیجیو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی خوشنودی چاہتے ہوئے۔ ان کی ذمہ داری کا کچھ حصہ تم پر نہیں اور تمہاری ذمہ داری کا کوئی حصہ ان پر ہے کہ تم ان کو

کر کے رکھ دیں۔ پس حمد و شکر کا سزاوار ہے وہ رب العالمین جو ایسی نابکار قوموں کی جڑ کاٹ کے رکھ دیتا ہے۔

۲۶ اوپر فرمایا تھا کہ اگر خدا تم پر کوئی ارضی یا سماوی آفت بھیج دے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ یہاں ارشاد ہے کہ اگر خدا تمہیں کسی عقلی، باطنی اور روحانی عذاب میں گرفتار کرے تو بھی تمہیں کوئی بچانے والا نہیں۔

۲۷ مراد وہ عذاب ہے۔ جو انبیاء کی تکذیب کرنے والی امتوں پر اتمام حجت کے بعد آتا ہے۔ اس میں نبی کے جھٹلانے والے ہلاک کر دیے جاتے ہیں اور اہل ایمان بچا لیے جاتے ہیں۔

۲۸ یہ پیغمبر کی زبان سے فیصلہ کن اعلان ہے کہ مجھ سے بحث کرنی ہے تو اس چیز پر کرو جو میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اور جس کا داعی ہوں۔ ان چیزوں پر کیوں جھگڑتے ہو جن کا میں نے سرے سے کوئی دعویٰ ہی نہیں کیا۔ میں عذاب کی نشانیاں دکھلانے یا عذاب لانے یا خوارق و عجائب کی نمائش کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ نہ میں خدا کے خزانوں کا مالک ہوں، نہ فرشتہ ہونے کا مدعی ہوں۔ میرا

اپنے سے دور کر کے ظالموں میں سے بن جاؤ ۞[29] اور اسی طرح ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے سے آزمایا ہے کہ وہ کہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہمارے درمیان سے اپنے فضل کے لیے چنا ؟ کیا اللہ شکر گزاروں سے اچھی طرح واقف نہیں[30] ۞ اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آیا کریں جو ہماری آیات پر ایمان لائے تو تم ان کو کہو کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت واجب کر رکھی ہے۔ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے گا پھر وہ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرے گا تو وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ اہلِ ایمان کی روش بھی واضح ہو جائے اور مجرموں کا رویہ بھی بے نقاب ہو جائے ۞ ۵۵

کہہ دو کہ مجھے ان کی عبادت سے روکا گیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ کہہ دو میں تمہاری خواہشوں کے پیچھے نہیں چل سکتا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو جاؤں گا اور پھر راہ پانے والوں میں سے نہ بن سکوں گا ۞ کہہ دو میں اپنے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے، وہ چیز میرے پاس نہیں ہے جس کے لیے تم جلدی مچائے ہوئے ہو۔ اس کا فیصلہ اللہ ہی کے اختیار میں[31] ہے۔ وہی حق کو واضح کرے گا اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۞ کہہ دو کہ اگر وہ چیز میرے پاس ہوتی جس کے لیے تم جلدی

کام تو مومنوں کو خدا کی رحمت کی خوشخبری دینا اور نافرمانوں کو عذاب سے خبردار کرنا ہے۔ اس بارے میں میں بس اس وحی کی پیروی کر رہا ہوں جو خدا کی طرف سے مجھ پر آتی ہے۔ خدا کے بندو، تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے؟

[29] قریش کے اکابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مخالفت میں یہ کہا کرتے کہ آپ کے ساتھی غربا اور عوام کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر یہی لوگ اس دین کے حامل قرار پائے ہیں تو پھر شریفوں کے لیے اس میں آنے کی گنجائش کہاں باقی رہی۔ قریش کی اس ذہنیت کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ ان شریفوں کو پانے کے لیے تم اپنوں کو کھونے کی غلطی نہ کرنا۔ اگر یہ کفار تمہاری دعوت سن کر بھی اپنی گمراہی میں پڑے رہے تو اس کی پرسش خدا کے ہاں تم سے نہ ہوگی، اب مواخذہ انہیں سے ہونا ہے۔

[30] یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک سنت بیان فرمائی ہے کہ ہم نے دنیا میں کسی کو دولت دی ہے تو اس بنا پر نہیں دی ہے کہ وہ اس کا حق دار تھا۔ اسی طرح کسی کو غربت دی ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ اسی کا سزاوار تھا۔ یہ امارت اور غربت تو لوگوں کے امتحان کے لیے ہے۔ رہی آسمانی نعمت اور یزدانی رحمت تو وہ صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو ہر حال میں خدا کے شکر گزار رہے۔

[31] روشن دلیل سے مراد قرآن مجید ہے جو خدا کی طرف سے ایک حجت، ایک برہان اور ایک قطعی شہادت

مچائے ہوئے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان جھگڑے کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں سے خوب باخبر ہے ۞ اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔ بر و بحر میں جو کچھ ہے اس سے وہ واقف ہے۔ کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور نہ زمین کی تہوں میں کوئی دانہ گرتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز ہے مگر وہ ایک روشن کتاب میں مندرج[32] ہے ۞ ۵۹

اور وہی ہے جو تمہیں رات میں وفات دیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا ہے، پھر تمہیں اس میں اٹھاتا ہے تاکہ مدت معین پوری کی جائے پھر اسی طرف تمہارا لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں باخبر کرے گا اس چیز سے جو تم کرتے رہتے[33] ہو ۞ اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح حاوی ہے اور وہ تم پر اپنے نگران مقرر رکھتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچتا ہے تو ہمارے فرستادے ہی اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ اس کام میں کوتاہی نہیں کرتے ۞ پھر وہ سب اللہ، اپنے مولائے حقیقی، ہی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ آگاہ کہ فیصلہ کا سارا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ سب سے زیادہ تیز حساب چکانے والا ہے ۞ ۶۲

ہے۔ کفار جس چیز کی جلدی مچاتے تھے وہ خدا کا عذاب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا ہے کہ میں تو اس کتاب ہی کو تمہارے سامنے پیش کروں گا خواہ تم اس کی تکذیب کے درپے رہو حق کو واضح اور اس نزاع کا فیصلہ کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ میرے بس میں نہیں۔

[32] یہ علم الٰہی کی وسعت کو بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی اس وسعت کا اعتقاد ہی ہے جو اہل ایمان کے اندر کامل تفویض، کامل اعتماد اور کامل رضا بالقضا کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ اس میں معمولی غلط فہمی بھی شرک کی راہیں کھول دیتی ہے۔ یہی چیز آخرت پر پکے اور سچے ایمان کی بنیاد ہے اور اسی کے صحیح تصور و تذکر سے انسان کے اندر وہ خشیت بھی پیدا ہوتی ہے جو زندگی میں اس کو صحیح روش اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

[33] یہ آخرت کے بارے میں لوگوں کے اس مغالطہ کو رفع فرمایا ہے جو علم الٰہی کے صحیح تصور کے فقدان سے پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا قیامت میں اٹھنا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ریہرسل ہر شب و روز تمہاری اپنی نگاہوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ خدا نے یہ دنیا بنائی ہی اس طرح ہے کہ وہ اپنی رات اور دن کی گردشوں سے ان تمام حقائق کا درس دے رہی ہے جن کی تمہیں دعوت دی جا رہی ہے بشرطیکہ تمہارے پاس دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل ہوں۔

امین احسن اصلاحی

زکوٰۃ

مؤطا امام مالک کی کتاب الزکوٰۃ کی احادیث

۱۔ حَدَّثَنِی عَن مَالِك عَن عَمرِو بنِ یحیَی المَازِنیّ عَن اَبِیهِ اَنَّهُ قَالَ: سَمِعتُ اَبَا سَعِیدٍ الخُدرِیَّ یَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ: لَیسَ فِیمَا دُونَ خَمسِ ذَودٍ صَدَقَةٌ، وَلَیسَ فِیمَا دُونَ خَمسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَیسَ فِیمَا دُونَ خَمسَةِ اَوسُقٍ صَدَقَةٌ

☐ ...حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اونٹوں سے کم پر صدقہ نہیں، پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں اور پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں۔

یہ حدیث امام بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے مختلف واسطے سے نقل کی ہے جس میں ذَوْدٍ سے پہلے اَوَاقٍ ہے۔ (صحیح البخاری: کتاب الزکوٰۃ، باب ۳۲)

امام مسلم نے یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مختلف واسطوں سے نقل کی ہے۔ اس کی ترتیب بخاری کی طرح ہے۔ (صحیح مسلم: کتاب الزکوٰۃ، باب ۱)

"صدقۃ" اس روایت میں زکوٰۃ کے معنی میں آیا ہے۔

"ذود" تین سال سے لے کر دس سال کی اونٹنیوں کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کا واحد نہیں۔ یہاں اس لفظ سے اونٹ اور اونٹنیاں دونوں مراد لی گئی ہیں۔

"اواق" اوقیہ کی جمع ہے۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی تحقیق

کے مطابق دس درہم سات مثقال سونے کے ہم وزن ہوتے تھے۔ اس طرح درہم دینار کا ۷/۱۰ ہوا۔ دینار کا وزن ۴٫۲۵ گرام کے برابر تھا۔ اس طرح درہم کا وزن ۲٫۹۷۵ گرام ہوا۔ اس تحقیق کی رو سے چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام ہے۔ (صفحہ ۱۴۹ - ۱۵۰) یہ ہمارے ہاں معروف نصاب ۵۲ ۱/۲ تولے سے تقریباً ڈیڑھ تولہ کم ہے۔

"اَوسُقٍ" وسق کی جمع ہے۔ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا تھا۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی تحقیق کے مطابق صاع ۴٫۸ رطل گیہوں کے برابر تھا۔ اور یہ مقدار ۲۱۷۶ گرام کے برابر ہوتی ہے۔ لہٰذا مصری رطل کے مطابق نصاب ۱۴۴۰ رطل اور کلوگرام کے حساب سے ۳۰۰ × ۲٫۱۷۶ یعنی ۶۵۲٫۸ یا ۶۵۳ کلوگرام ہوگا۔ (صفحہ ۲۱۰) اس طرح پانچ وسق ۱۷٫۵ من ہوتے ہیں۔

یہ روایت اونٹوں، غلہ اور چاندی پر زکوٰۃ عائد کرنے کے لیے ایک نصاب کا تعین کرتی ہے۔ زکوٰۃ کے نصاب کے بارے میں صرف یہی ایک مرفوع حدیث ہے۔ باقی سب آثارِ صحابہ یا فتوے ہیں۔ نصاب مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ معمولی آمدن والوں پر کسی قسم کا بوجھ نہ ہو کیونکہ زکوٰۃ کا مقصد امرا سے مال وصول کر کے غربا میں تقسیم کرنا ہے تاکہ دولت صرف اغنیاء میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔

زکوٰۃ انفاق سے الگ چیز ہے۔ اس کی نوعیت فرض کی ہے جس کو حکومت ہر حال میں وصول اور مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کرے گی۔ اس کی نوعیت اس ٹیکس کی نہیں جو حکومت اپنے مصارف کے لیے لگاتی ہے۔

اس روایت میں صرف اونٹ کا نصاب ہے، دوسرے جانوروں کا نہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات کسی خاص موقع پر کسی سوال کے جواب میں کہی گئی ہے۔ ویسے ہر قسم کے جانوروں میں زکوٰۃ ہے۔ بشرطیکہ معین مقدار سے زائد ہوں اور ان کی حیثیت گلے کی ہو۔ ہل چلانے والے، گڈا کھینچنے والے یا رہٹ چلانے والے اونٹ یا دوسرے جانور شمار نہ ہوں گے۔ اونٹ کے علاوہ بھیڑ بکریوں اور گایوں کا نصاب بعض دوسری روایات میں بیان ہوا ہے۔

۲۔ حَدَّثَنِی عَن مَالِك عَن مُحَمَّدِ بنِ عَبدِاللّٰهِ بنِ عَبدِ الرَّحمٰنِ بنِ اَبِی صَعصَعَةَ الاَنصَارِیِّ ثُمَّ المَازِنِیِّ عَن اَبِیهِ عَن اَبِی سَعِیدٍ الخُدرِیِّ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَیسَ فِیمَا دُونَ خَمسَةِ اَوسُقٍ مِنَ التَّمرِ صَدَقَةٌ۔ وَلَیسَ فِیمَا دُونَ خَمسِ اَوَاقٍ مِنَ الوَرِقِ صَدَقَةٌ

وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ۔

☐ ... حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم کھجور میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ عدد اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

یہ روایت صحیح بخاری —— کتاب الزکوٰۃ ، باب ۴۲ —— میں بھی نقل ہوئی ہے۔

یہ اوپر والی روایت ہی ہے جس میں چند الفاظ کا اضافہ ہوگیا ہے۔ اس میں کھجور کا ذکر ہوگیا ہے مدینہ میں اصل فصل کھجور کی ہی تھی باقی فصلیں ضمنی تھیں۔ وہاں اس کی حیثیت غلے کی تھی۔ اس کے لیے بھی نصاب پانچ وسق ہی رکھا گیا۔

ورق سے مراد چاندی ہے۔ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ ہے۔ اوقیہ کی شرح پہلی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۳- وحدثنی عن مالك أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبَ إِلٰى عَامِلِهِ عَلٰى دِمَشْقَ فِى الصَّدَقَةِ إِنَّمَا الصَّدَقَةُ فِى الْحَرْثِ وَالْعَيْنِ وَالْمَاشِيَةِ۔

☐ امام مالک روایت کرتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دمشق کے عامل کو زکوٰۃ کے بارے میں لکھا کہ صدقہ کھیتی ، نقدی اور مواشی میں ہے۔

"حرث" کا معنی کھیتی ہے۔ ایک تو اصل فصل (MAIN CROP) ہوتی ہے جیسے گیہوں ، جَو وغیرہ اور دوسری ضمنی فصلیں ہوتی ہیں جیسے سبزی دالیں وغیرہ۔ تو اصل فصل کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ اگر کسی نے ایک کیاری پیاز۔ لہسن۔ سونف وغیرہ اپنی ضرورت کے لیے لگائی ہو تو وہ شمار نہ ہوگی۔ جو فصلیں ایک جنس اور ایک نوعیت کی ہوں اور ان کا مقصد غلے کا ہو تو وہ یکجا شمار ہوں گی۔ مثلاً اگر

گندم پانچ وسق نہیں اور کچھ جو مل کر پانچ وسق سے زیادہ ہو جاتے ہیں تو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ دالیں مونگ۔ ماش۔ مسور وغیرہ اگر پانچ وسق سے کم ہوں تو شمار میں نہیں آئیں گی۔ لیکن اگر سب مل کر پانچ وسق سے زائد ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح دھان کی فصل اصل ہے۔ مختلف قسم کے دھان یکجا شمار ہوں گے۔ لیکن گندم کی فصل دھان کے ساتھ شمار نہ ہوگی۔ خربوزہ۔ تربوز اور سبزیوں کی فصلیں اور باغوں کی پیداوار میرے نزدیک "حرث" کے مفہوم میں شامل ہے اور ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی بشرطیکہ وہ نصاب سے زائد ہوں۔ حنفیہ نے کھیتی کے بارے میں قوت اور ذخیرہ کرنے کی شرط لگائی ہے۔ اس زمانہ میں غلوں کے علاوہ دوسری اجناس کی کاشت مثلاً پیاز۔ لہسن۔ سردہ، گرما کہ وہ غلہ سے بھی زیادہ نقد آور ہوگئی ہیں۔ زکوٰۃ اصلاً چونکہ اموال پر عائد ہوتی ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی حکومت گنے پر تمباکو پر، سبزیوں اور پھلوں اور ایسی تمام اجناس پر زکوٰۃ وصول نہ کرے جو آج آمدن کا اہم ذریعہ ہیں۔ میرے نزدیک اصول یہ ہے کہ کھیتی میں جو کچھ بھی ہے اس پر زکوٰۃ ہے بشرطیکہ مقدار اتنی ہو کہ صدقہ لینے والا اس میں مداخلت کر سکے۔

"عین" کا مطلب ہے نقدی۔ جس میں چاندی، سونا اور رائج الوقت کرنسی شامل ہے۔ یعنی درہم۔ دینار اور اس زمانہ میں روپیہ۔ پونڈ۔ ڈالر وغیرہ۔ آنحضرت کے زمانے میں رائج الوقت سکے چاندی اور سونے کے تھے۔ درہم چاندی کا اور دینار سونے کا ہوتا تھا۔ اب سکے کی جگہ نوٹوں نے لے لی ہے لیکن یہ نوٹ حکومت کی ضمانت سے جاری ہوتے ہیں اور سونے اور چاندی کے ہی قائم مقام ہیں۔ لہٰذا چاندی اور سونے کے نصاب کے برابر اگر کسی کے پاس نوٹوں کی نقدی ہوگی تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا اگر چاندی۔ سونا اور نوٹوں کی نقدی مل کر نصاب سے زائد ہوگی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

"ماشیۃ" سے مراد وہ سب جانور ہیں جو گلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم جنس جانوروں کی ایک فہرست ہوگی۔ مثلاً بھیڑ بکری ایک قسم اور دودھ دینے والے جانور بھینس گائے وغیرہ ایک قسم شمار ہوں گے۔ اس زمانہ میں ان معروف مویشیوں کے علاوہ کئی جانوروں کو تجارتی پیمانہ پر نشوونما دی جاتی ہے۔ مثلاً پولٹری فارم جگہ جگہ قائم ہوگئے ہیں۔ گھوڑوں کی نسل کشی کا وسیع کاروبار ہے۔ میرے نزدیک پولٹری کے جانور گھوڑے اور خچر۔ طرح طرح کے پرندے مثلاً کبوتر۔ طوطے اور بٹیر وغیرہ جو جانور بھی تجارت کے لیے پالے جاتے ہیں ان پر مقررہ مقدار کو چھوڑ کر زکوٰۃ ہوگی اور یہ ماشیہ کے مفہوم میں نہیں سمجھے جائیں گے۔

۴۔ وحدثني يحيٰى عن مالك عن محمد بن عقبة مولى الزبير أنَّهٗ سَأَلَ القَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مُكَاتِبٍ لَهٗ قَاطَعَهٗ بِمَالٍ عظيمٍ۔ هَلْ عَلَيْهِ فِيْهِ زكوٰة؟ فَقَالَ القاسمُ: إِنَّ اَبَا بَكْرِ الصِّدِّيْقَ لَمْ يَكُنْ يَأْخُذُ من مالٍ زكوٰةً حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ. قَالَ القَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اِذَا اَعْطَى النَّاسَ اَعْطِيَاتِهِمْ يَسْأَلُ الرَّجُلَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ مَالٍ وَجَبَتْ عَلَيْكَ فِيْهِ الزَّكوٰة؟ فَاِذَا قَالَ: نَعَمْ أَخَذَ مِنْ عَطَائِهٖ زكوٰةَ ذٰلِكَ الْمَالِ۔ وَاِنْ قَالَ: لَا۔ اَسْلَمَ اِلَيْهِ عَطَاءَهٗ وَلَمْ يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا۔

☐ یحیٰی امام مالک سے اور وہ زبیر کے مولیٰ محمد بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قاسم بن محمد سے پوچھا کہ ان کے مکاتب نے ان کو ایک بڑی رقم پیشگی ادا کردی ہے۔ کیا اس میں زکوٰۃ واجب ہوگئی؟ تو قاسم نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کسی مال سے زکوٰۃ نہ لیتے جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گزر جاتا۔ جب وہ لوگوں کو وظائف دینے لگتے تو پوچھتے: تمہارے پاس کوئی ایسا مال تو نہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو؟ اگر کوئی شخص اثبات میں جواب دیتا تو وظیفہ میں سے زکوٰۃ وضع کر لیتے۔ اگر نفی میں جواب دیتا تو پورا وظیفہ اس کے حوالے کر دیتے اور اس میں سے کچھ نہ کاٹتے۔

۵۔ وحدثني عن مالكٍ عن عمر بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ قُدَامَةَ عن اَبِيْهَا أَنَّهٗ قَالَ: كُنْتُ إِذَا جِئْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَقْبِضُ عَطَائِيْ سَأَلَنِيْ: هَلْ عِنْدَكَ مِنْ مَالٍ وَجَبَتْ عَلَيْكَ فِيْهِ الزَّكوٰة؟ قَالَ: فَاِنْ قُلْتُ: نَعَمْ أَخَذَ مِنْ عَطَائِيْ زكوٰةَ ذٰلِكَ الْمَالِ: وَاِنْ قُلْتُ: لَا۔ دَفَعَ اِلَيَّ عطائِيْ۔

☐ امام مالک عمر بن حسین سے اور وہ عائشہ بنت قدامہ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس اپنا وظیفہ لینے جاتا تو وہ مجھ سے پوچھتے کہ تیرے پاس کوئی ایسا مال تو نہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو

چکی ہے۔ اگر میں کہتا ہاں تو وہ میرے وظیفے میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتے اور اگر کہتا نہیں تو میرا وظیفہ مجھے دے دیتے۔

۶۔ وحدثني عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: لَا تَجِبُ فِيْ مَالٍ زكوٰةٌ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔

☐ امام مالک حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ کسی مال میں زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گزر جائے۔

ان تمام روایتوں میں حولانِ حول کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ اسلام میں مجرد آمدنی پر زکوٰۃ نہیں بلکہ زکوٰۃ اس مال پر ہے۔ جو کسی مسلمان کے ہاتھ میں ایک سال تک رہے، نشیب و فراز سے گزر ے سردگرم چکھے، نفع حاصل کرنے میں اس کو لگایا جاسکے۔ اسے نقصان سے دوچار ہونا ہو تو ہوجائے۔ تمام مراحل سے گزرنے کے بعد جو مال بچے اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ اصول یہ ہے کہ جو رقم آئے اس پر فوری طور پر صدق نہ چڑھ دوڑے، جیسا کہ انکم ٹیکس کا معاملہ ہے۔ سال کا گزرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ بچت پر ہے۔ آمدن پر نہیں۔ موجودہ ٹیکسوں کے نظام اور اسلام کے نظام میں یہ بنیادی فرق ہے۔

چھٹی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فتویٰ ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عمل کے مطابق ہے۔ اس فتوے کا تعلق صرف مال سے ہے۔ زرعی پیداوار سے نہیں کیونکہ فصل کے متعلق تو حکم ہے کہ اس پر زکوٰۃ ادا کرو جن دنوں میں اس کو کاٹو (اٰتوا حقَّهٗ يوم حصاده) گویا فصل کی برداشت کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔

وظیفہ میں سے زکوٰۃ کا کاٹ لینا سہولت کے لحاظ سے ہے۔ یہ عمل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کا رہا ہے۔ یہ زکوٰۃ پچھلے مال پر لی جاتی تھی تاکہ دینے والے اور لینے والے کو سہولت رہے۔ خلفائے راشدین کا یہ عمل وضع زکوٰۃ میں مجرد زکوٰۃ دینے والے کے بیان پر اعتماد کرنے کی اعلیٰ مثال ہے۔

۷۔ وحدثني عن مالك عن ابن شهاب اَنَّهٗ قَالَ: اَوَّلُ مَنْ اَخَذَ

مِنَ الْاَعْطِيَةِ الزَّكٰوةَ مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِیْ سُفْيَانَ۔

□۔ امام مالک ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس خلیفہ نے وظائف میں سے زکوٰۃ وصول کی وہ معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل اوپر کی روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ وظیفہ عطا کرنے سے پہلے وصول کنندہ سے یہ معلوم کرتے کہ اس کے ذمہ زکوٰۃ تو باقی نہیں۔ اگر وہ بتاتا کہ زکوٰۃ واجب الادا ہے تو وہ وظیفہ کی رقم میں سے کاٹ لیتے ورنہ عطیہ پورا دے دیتے۔ ابن شہاب کی اس روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا عمل اس سے مختلف تھا۔ وہ جب وظیفہ عطا کرتے تو اس پر جتنی زکوٰۃ بنتی وہ اسی میں سے وصول کر لیا کرتے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ وظیفہ ایک خشترک کھاتے کی حیثیت رکھتا ہے اور پہلے سے معلوم آمدنی ہے اس لیے اس کا حکم ایک مشترک کھاتے کا ہونا چاہیے۔ اور اس پر حولانِ حول کی شرط نہیں ہونی چاہیے۔

حضرت معاویہؓ کا اختیار کردہ راستہ آسان ہے۔ وقفوں کے ساتھ حاصل ہونے والی رقوں پر حولانِ حول کا حساب رکھنا نہایت پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اگر ہر رقم پر سال گزرنے کی مدت کا الگ الگ حساب رکھا جائے تو حساب کی ایسی مشکلیں پیش آئیں گی کہ عام آدمی ان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے اس عمل پر فقہاء نے فتویٰ نہیں دیا۔

امام مالکؒ کے فتوے:

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سنت جس کے بارے میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا یہ ہے کہ جس طرح دو سو درہم چاندی میں زکوٰۃ ہو گی اسی طرح بیس دینار میں بھی زکوٰۃ ہو گی۔ ڈاکٹر قرضاوی کی تحقیق کے مطابق دینار سونے کا ہوتا تھا اور اس کا وزن ۴ء۲۵ گرام تھا۔ اس طرح سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہوا جو تقریباً ساڑھے سات تولے کے برابر ہے۔

امام مالکؒ کے زمانہ میں دینار و درہم مسکوک بھی ہوتے تھے اور غیر مسکوک بھی۔ اس لیے ان کے وزن میں معیاری وزن کے لحاظ سے فرق ہوتا تھا۔ امام صاحب کا فتویٰ یہ تھا کہ اگر بیس دینار اور دو سو درہم تعداد صحیح ہونے کے باوجود وزن میں پورے نہ اتریں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہو گی گویا اصل معیار سونا یا

چاندی کی مقدار ہے سکوں کی تعداد نہیں۔

اس زمانہ میں دینار و درہم کا مبادلہ بھی ہر جگہ ایک جیسا نہ ہوتا تھا۔ امام مالک کا فتویٰ یہ تھا کہ اگر کسی مقام پر بیس دینار ایک سو ساٹھ درہم کے برابر ہوتے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہو گی۔ گویا امام صاحب چاندی کو سٹینڈرڈ مانتے تھے۔ کاغذ کرنسی کے اس دور میں اب یہ مسائل پیدا نہیں ہوتے۔

امام مالکؒ کے نزدیک اگر کسی کے پاس فائدہ کی رقم ہو یعنی ایسا مال جو تجارت سے حاصل نہیں ہوا مثلاً غلاموں کی اجرت یا مکانوں کا کرایہ وغیرہ، یہ رقم نصاب سے کم ہو اور وہ شخص اس سے تجارت شروع کر دے تو جس روز وہ بڑھ کر نصاب کے برابر ہو جائے گی اسی روز اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اس دن سے حولانِ حول کا حساب رکھا جائے گا۔ اگر یہ رقم نصاب سے زیادہ ہے تو زکوٰۃ ایک سال گزرنے کے بعد واجب ہو گی۔ گویا امام صاحب تجارتی منافع پر فوری زکوٰۃ عائد کرنے کے حق میں ہیں۔

امام صاحب کئی آدمیوں کے مشترک کھاتے کے بارے میں یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ ان اشخاص میں سے جس شخص کا حصہ بیس دینار یا دو سو درہم ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی اور جس کا حصہ اس سے کم رہ جائے گا اس پر زکوٰۃ نہ ہو گی۔ امام شافعیؒ مشترک کھاتے میں مجموعہ پر زکوٰۃ مانتے ہیں۔ میرے نزدیک جب ملک معین نہ ہو تو مجموعہ پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیے اور جب حصص معلوم ہوں تو ہر حصہ کو دیکھا جائے گا کہ وہ بقدر نصاب ہے یا نہیں۔

امام صاحب کے نزدیک جب کسی شخص کا سونا چاندی مختلف لوگوں کے پاس رکھا ہوا ہو تو وہ ان کو اکٹھا شمار کر کے زکوٰۃ ادا کرے گا۔ میرے نزدیک یہ فتویٰ اس صورت میں ہے جب اس کا مال دوسروں کے پاس بطور امانت جمع ہو۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ ہر امانت نصاب کی مقدار سے کم ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ نہیں۔

میرے نزدیک مال اگر قرض دیا ہوا ہے تو قرض کی وصولی تک وہ معاشرہ کی خدمت کر رہا ہوتا ہے اس لیے اس دوران میں اس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔ جب قرض وصول ہو گا تو اس کی حیثیت 'فائدہ' کی ہو گی۔ وصول کے دن سے اس پر حولانِ حول کا اطلاق ہو گا اور ایک سال کا عرصہ گزرنے پر زکوٰۃ دی جائے گی۔

(ترتیب: سعید احمد)

خالد مسعود

سبعۃ احرف کی روایت

عن ابن شہاب قال حدثنی عروۃ بن الزبیر ان المسور بن مخرمۃ وعبدالرحمٰن بن عبد القاری حدثاہ انہما سمعا عمر بن الخطاب یقول سمعت ہشام بن حکیم یقرء سورۃ الفرقان فی حیاۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاستمعت لقراءتہ فاذا ہو یقرء علی حروف کثیرۃ لم یقرئنیہا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکدت اساورہ فی الصلوٰۃ فتصبرت حتی سلم فلببتہ بردائہ فقلت من اقرأک ہذہ السورۃ التی سمعتک تقرء قال اقرانیہا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت کذبت فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد اقرانیہا علی غیر ما قرأت فانطلقت بہ اقودہ الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت انی سمعت ہذا یقرء بسورۃ الفرقان علی حروف لم تقرئنیہا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ارسلہ اقرأ یا ہشام فقرأ علیہ القراءۃ التی سمعتہ یقرء فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کذلک انزلت ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت القراءۃ التی اقرأنی فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کذلک انزلت ان ہذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرءوا ما تیسر منہ[1]۔

(ترجمہ) ابن شہاب سے روایت ہے کہ عروہ بن الزبیر نے مجھے بتایا کہ مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے سُنا۔ وہ بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں میں نے ہشام بن حکیمؓ کو سورۃ الفرقان پڑھتے سنا۔ میں نے ان کی قراءت پر کان لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ متعدد ایسی طرزوں سے پڑھ رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائی تھیں۔

1. صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف

میں نماز ہی میں ان پر جھپٹنا چاہتا تھا لیکن میں نے بمشکل ضبط کیا یہاں تک کہ انھوں نے سلام پھیرا۔ میں نے انھی کی چادر ان کے گلے میں ڈالی اور پوچھا کہ یہ سورہ، جو میں نے تجھے پڑھتے سنا، تمہیں کس نے پڑھائی ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ اس طرز سے مختلف انداز سے پڑھائی جس طرز سے تم نے پڑھی ہے۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہؐ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی اس شخص کو میں نے سورۃ الفرقان ایسی طرزوں سے پڑھتے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائی تھیں۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا، اس شخص کو کھولو۔ ہشام تم سناؤ۔ ہشام نے اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان کو پڑھتے سنا تھا۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا۔ یہ سورہ اسی طرح نازل ہوئی۔ پھر فرمایا۔ عمر تم سناؤ۔ میں نے آپ کو اس طرح پڑھ کر سنایا جیسا آپ نے مجھے پڑھایا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورہ اسی طرح نازل ہوئی۔ یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔ اس میں سے جتنا میسر ہو سکے پڑھ لیا کرو۔

مشکل الفاظ:

'اساورہ' میں اچھل کر اس پر جا پڑوں، میں اس پر حملہ کردوں۔

'تصبرتُ' بمشکل صبر کیا۔ بمشکل اپنے کو روکے رکھا۔

'لببتہٗ' میں نے گلے میں رسی یا کپڑا ڈالا۔ میں نے گریبان سے پکڑا۔ یہاں چادر کے ذریعے کپڑا گردن میں ڈال کر پکڑنے کے ہیں۔

'حروف' و 'احرف'۔ حرف کی جمع۔ لغت میں حرف کے اصل معنی کسی چیز کے کنارے، سرے، حاشیے، منڈیر اور دھار کے ہیں۔ قرآن میں یہ اسم صرف ایک جگہ استعمال ہوا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ (الحج ۱۱) اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی بندگی ایک کنارے پر کھڑے ہوئے کرتے ہیں۔ مجازاً اس کا اطلاق پہلو، حالت اور طرز پر ہوتا ہے۔ اس روایت میں یہ بظاہر اسی آخری معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے حقیقی معنی کا تعین، جیسا کہ آگے کے مباحث سے اندازہ ہوگا، نہایت مشکل ہے۔ حروف تہجی یا اسم و فعل کے بالمقابل حرف کے اصطلاحی معانی ہیں: استعمال کا اس روایت میں کوئی موقع نہیں۔

اسناد:

یہ روایت اسی سند کے ساتھ صحیح بخاری کی کتاب التوحید: باب قول اللّٰہ تعالیٰ فاقرءوا ما تیسر من القرآن

کتاب فضائل القرآن : باب من لم یر باسا ان یقول سورۃ البقرۃ اور کتاب استتابۃ المرتدین : باب ماجاء فی المتاولین میں اور صحیح مسلم کی کتاب صلوٰۃ المسافرین : باب بیان القرآن علی سبعۃ احرف میں آئی ہے ترمذی میں بھی اس کی سند یہی ہے۔ دوسری کتب حدیث جو عام طور پر کمزور سند کے ساتھ روایت کے سویدات جمع کر دیتی ہیں، وہ بھی کسی دوسرے واسطے سے اس روایت کو تقویت نہیں پہنچاتیں۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ مسورؓ بن مخرمہ صحابی اور عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ تابعی روایت کرنے والے ہیں لیکن ان کے شاگردوں میں سے بس حضرت عروہ بن الزبیرؒ ہی کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ وہ روایت میں بیان کردہ واقعہ کو آگے منتقل کریں لیکن ان کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ وہ صرف ابن شہاب ہی کو اپنا محرم راز بناتے ہیں اور کسی دوسرے کے کانوں میں اس کی بھنک نہیں پڑنے دیتے۔ البتہ ابن شہاب کے تمام معتمد علیہ شاگرد۔ عقیل، شعیب، یونس، مالک، معمر اس روایت کو عام کرنے کا باعث بنے ہیں اور ان کے ذریعے یہ روایت تمام اہم کتب حدیث میں جگہ پا کر معتبر قرار پا گئی ہے۔ تاہم یہ خبر عن واحد ہے اس کا مضمون بعض قابل اعتراض پہلوؤں کا حامل ہے جن سے حضرت عمر فاروقؓ کی مذمت مقصود ہے اور واحد راویوں ـــ حضرت عروہؒ اور ابن شہاب ـــ میں سے موخرالذکر راوی معمولاً حضرات شیخینؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو مطعون کرنے کے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہاں تشیعی مسلک کا تقاضا ہے اور اس کی متعدد مثالیں معتبر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک اس روایت کی ساخت و پرداخت کے ذمہ دار ابن شہاب ہیں اور ان کے شاگردوں نے بھی اپنی اپنی ذہنی اپچ کے مطابق اس میں تصرفات کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالکؒ کی روایت جو امام مسلمؒ نے لی ہے، بعض ان تفصیلات سے خالی ہے جو زیرنظر روایت میں موجود ہیں۔

روایت کی وضاحت :

یہ روایت دو حصوں میں ہے۔ آخری حصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل ہوئی ہے جبکہ پہلا حصہ اس واقعہ کے بیان پر مشتمل ہے جس کے نتیجہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفتا ہوا اور آپ کا قول مبارک سامنے آیا۔ پہلے ہم روایت کے ابتدائی حصہ پر بحث کریں گے۔

صورت واقعہ یوں بیان ہوئی ہے کہ ہشام بن حکیمؓ نماز میں سورۃ الفرقان کی تلاوت کر رہے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس میں کچھ اجنبیت محسوس کی۔ انہوں نے کان لگا کر تلاوت کو سنا تو معلوم ہوا کہ ہشام سورہ کو کئی مختلف طرزوں سے ادا کر رہے ہیں جن سے حضرت عمرؓ واقف ہی نہ تھے۔

اس پر وہ غضبناک ہو گئے۔ شدت جذبات میں چاہا کہ ہشام کو نماز ہی میں دبوچ لیں لیکن پھر نہ جانے کس طرح اپنے آپ کو قابو میں کیا۔ ہشام کے سلام پھیرنے کے انتظار میں تو بیٹھے ہی، ان کے سلام پھیرتے ہی ان پر جھپٹے، ان کی چادر چھین کر ان کے گلے میں ڈالی اور ان کو جکڑ لیا۔ اس تملم کارروائی کے دوران ہشام غریب کو نہ انہوں نے ان کا جرم بتایا اور نہ وہ خود ان سے پوچھ سکے۔ اس حفاظتی انتظام کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے تلاوت کے بارے میں وضاحت طلب کی۔ جب ہشام نے ان کو یہ بتایا کہ میں نے یہ سورہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تو حضرت عمرؓ نے اس بیان کو تسلیم نہیں کیا، انہیں جھوٹا قرار دیا اور مزید تحقیقات کے لیے رسول اللہ ؐ کی خدمت میں لے چلے۔ ہشام کے گلے میں چادر تو ڈال ہی رکھی تھی اس لیے ان کو کھینچ کر لے جانے ہی کا کام باقی تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر مسئلہ پیش کیا۔ آپؐ نے پہلے ہشام کی گلو خلاصی کا حکم دیا اور پھر دونوں کی قرارت سن کر دونوں تلاوتوں کو درست قرار دے دیا اور فرمایا کہ قرآن سات طرزوں پر نازل ہوا ہے۔

اس قصہ پر غور کرنے والے ہر شخص کے ذہن میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آتا:

ہشام بن حکیمؓ قریش میں سے ہیں۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ یہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت کرنا ضروری نہ تھا۔ لہٰذا اگر انہوں نے خاص اہتمام کیا ہو گا تو بس چند مہینے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کا موقع پا سکے ہوں گے۔ ان کے مقابل میں حضرت عمرؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں جن کے شب و روز آنحضرتؐ کی خدمت میں بسر ہوتے رہے۔ یہ بھی قرشی ہیں اس لیے ہشامؓ اور حضرت عمرؓ کی زبان میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا تھا۔

روایت کی رو سے اسلام کے نامور فرزند۔ حضرت عمرؓ۔ اس قدر جذباتی واقع ہوئے تھے کہ وہ اپنی بات سے اختلاف کو کسی طرح قبول نہ کرتے تھے۔ وہ ایک نومسلم کی تلاوت سن کر اس طرح آگ بگولا ہو گئے کہ نماز کے آداب کا خیال بھی انہیں نہیں رہا اور انہوں نے اس شخص پر نماز کی حالت ہی میں حملہ کرنا چاہا۔ پھر بمشکل اپنے جذبات کو ضبط کر سکے اور جونہی اس شخص نے سلام پھیرا انہوں نے بغیر وجہ بتائے اور اس سے بازپرس کیے اس کو چادر سے جکڑ لیا۔ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تمام تعلیم بھول گئی جس میں دوسرے مسلمان کے ساتھ حسن سلوک اور ہاتھ اور زبان سے اس کو نقصان نہ پہنچانے کی تلقین اور معاملہ میں ہمیشہ حسن ظن سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے نومسلم کی اس رخصت وضاحت کو درخوراعتنا نہیں سمجھا کہ انہوں نے سورۃ الفرقان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی بلکہ اس کے منہ پر اس

کو جھوٹا کہہ دیا اور اس کو باندھے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں لے گئے۔ وہاں جا کر بھی انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ اب وہ ملزم کو حضورؐ کے پاس پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشامؓ کو حضرت عمرؓ کے شکنجہ سے آزاد کرایا۔

اس قصہ سے یہ تاثر بھی قائم ہوتا ہے کہ قدیم الاسلام ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ نے نہ تو آنحضرتؐ سے سبعۃ احرف پر قرآن پڑھنا سیکھا اور نہ آپ اس حقیقت ہی سے واقف تھے کہ آنحضرتؐ نے مختلف طریقوں سے تلاوت کی اجازت دے رکھی ہے جبکہ ایک نومسلم نے چند ماہ کی رفاقت میں متعدد طریقوں (علی حروف کثیرۃ) سے پڑھنا سیکھ لیا۔

بیک وقت "علی حروف کثیرۃ" کی تلاوت کے معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے اگر تو سبعۃ احرف امت کے مختلف طبقات یا گروہوں کی زبان کی رعایت سے تھے تو ایک قرشی شخص کے لیے قرشی طرز پر قرات سیکھ لینا کافی تھا اور حضرت عمرؓ چونکہ ہشامؓ کی طرح خود بھی قرشی تھے اس لیے ان کی اور ہشامؓ کی قرات کے طرز میں کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اگر ہشامؓ نے قرشی طرز کے علاوہ دوسری طرزیں بھی سیکھ لی تھیں اور یہ کوئی مندوب و مستحب کام تھا تو حضرت عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل وابستگی کے باوصف کیسے اس شرف سے محروم رہ گئے حتیٰ کہ ان کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ قرآن متعدد طرزوں پر سکھایا جا رہا ہے تو ان کو ہشامؓ کی قرات پر اعتراض ہی کیوں ہوتا اور ان کو جھوٹا کیوں قرار دیتے؟

ہمارے نزدیک یہ قصہ کسی طرح سمجھ میں آنے والا نہیں۔ یہ، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، ابن شہابؒ کے ذہن کی اختراع ہے۔ اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو متعدد لوگ اس کی روایت کرنے والے ہوتے اور اس کا راز حضرت عروہؒ اور ابن شہاب تک ہی محدود نہ رہتا۔ اگر اس طرح کا کوئی واقعہ فی الواقع پیش آیا تو اس کی صورت کو بیان کرنے میں خیال آرائی کو دخل ہے اور حقیقی تفاصیل پیش نہیں کی گئیں۔

اب روایت کے آخری حصہ کی طرف آئیے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا۔ اس میں سے جتنا میسر ہو سکے پڑھ لیا کرو۔ دوسری احادیث سے قرآن مجید کے سات حرفوں پر نازل ہونے کی تائید ہوتی ہے، اگرچہ ان کے الفاظ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت میں فاقرءوا ما تیسر منہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ حدیث کے ابتدائی الفاظ اسی طرح ہیں۔ یہ ابتدائی الفاظ مسند احمد کی روایت میں بھی موجود ہیں جبکہ ان کے ساتھ متفرق اضافے کیے گئے ہیں۔ یہ اضافے عموماً

غیر مربوط قسم کے ہیں۔ روایت زیر بحث میں یہ اضافہ ابتدائی حصہ سے کوئی ایسا تعلق نہیں رکھتا جس کا تقاضا حضرت عمرؓ کا واقعہ کر رہا ہے۔ اگر منہ کی بجائے منہا کا لفظ استعمال ہوا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ ضمیر سات حرفوں کی طرف راجع ہے اور ان میں سے کسی حرف کو بھی پڑھنے کی رخصت دیتی ہے۔ لیکن استعمال شدہ الفاظ حقیقت میں سورہ مزمل کی ایک آیت کا حصہ ہیں۔ وہاں منہ کی ضمیر قرآن مجید کے لیے ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھ لیا کرو۔ گویا الفاظ حدیث میں اشارہ قرآن مجید ہی کی سات جہتوں کی طرف ہے اور تلقین فرمائی گئی ہے کہ اس میں سے اپنی سہولت کے مطابق پڑھتے رہا کرو تاکہ اس کی ہدایت سے متمتع ہو سکو۔

(سبعۃ احرف) کے معنی کے تعین پر علماء میں بڑا اختلاف ہوا ہے۔ بعض اس سے مراد عرب میں بولی جانے والی سات زبانیں لیتے ہیں حالانکہ نزول قرآن کی زبان کے لیے خود قرآن میں بلسانک (تیری زبان پر) کہہ کر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ قرآن کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان، یا دوسرے الفاظ میں قریش کی زبان پر ہوا۔ اسی دلیل کی بنا پر جب حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن مجید کے سرکاری نسخے تیار کروائے تو ان کو قریش کے طرز ادا کے مطابق لکھنے کا حکم دیا اور حضرت زیدؓ کی رہنمائی کے لیے تین قرشی آدمیوں کو ان کے ساتھ رکھا۔ آپ نے پوری امت کو اسی ایک طرز ادا پر جمع کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

بعض علماء سبعہ احرف سے سات کیفیتیں مراد لیتے ہیں جن کے مطابق قرآن مجید پڑھتے ہوئے الفاظ ادا ہوتے ہیں مثلاً ادغام، اظہار، تفخیم، ترقیق، مد، امالہ، وغیرہ۔ بعض کے نزدیک مراد اسالیب کلام کے پہلو ہیں مثلاً اعراب کے وجوہ، مفرد و جمع کا استعمال، تقدیم و تاخیر کلمات، حذف کلمات، وغیرہ۔ دوسرے ان سے مراد قرآن مجید کے مضامین کا سات انواع پر مشتمل ہونا لیتے ہیں مثلاً امر، نہی، وعد و وعید، حرام و حلال، قصص، امثال، محکم و متشابہ۔ ان سب آرا میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے تاہم ان میں مشترک بات یہ ہے کہ یہ سب اقوال احرف کو قرآن مجید کے اندر ہی محصور کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک احرف کا قرآن مجید ہی کے اندر محصور ہونا ضروری ہے۔

الزرکشی نے البرہان فی علوم القرآن میں بتایا ہے کہ سبعۃ احرف کی تاویل میں پینتیس یا چالیس اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض علماء کو یہ کہنا پڑا ہے کہ سبعۃ احرف کا تعلق متشابہات سے ہے، ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ معتبر علماء کے مابین اس امر میں کوئی نزاع نہیں کہ

سبعۃ احرف سے سات معروف قرأتیں مراد نہیں ہیں۔ یہ قراءتیں سب سے پہلے امام ابوبکر بن مجاہد نے تیسری صدی میں جمع کیں اور سبعۃ احرف کی حدیث کے ساتھ مطابقت قائم رکھنے کے لیے انہوں نے سات روایتیں لیں۔ اسی لیے ایک مشہور قاری کو یہ کہنا پڑا کہ اگر ابن مجاہد نے قراء کا تعین نہ کر دیا ہوتا تو میں سات قراء میں حمزہ کی جگہ یعقوب الحضرمی کو شامل کرتا۔ امام صاحب کے نزدیک اس امر میں بھی کوئی نزاع نہیں کہ سات حروف میں کوئی تناقض یا معنی کا تضاد نہیں ہے (فتاویٰ شیخ الاسلام جزو ۱۳) چنانچہ اہل تحقیق کے نزدیک ان الفاظ سے سات قراءت مراد لینا 'اضعف الاقوال بلاریب' (بلاشبہ کمزور ترین تاویل) ہے۔ یوں بھی اہل قراءت کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی کوئی مکمل سورہ تو کجا، کسی ایک حرف کا بھی سات طرزوں پر پڑھنا ممکن نہیں۔ علماء نے سورۃ الفرقان میں جس کا سات حرفوں پر پڑھنا اس روایت میں بیان ہوا ہے، اہل قراءت کے اختلافات کو جمع کر کے دکھا دیا ہے کہ یہ بس معدودے چند ہی ہیں اور ان کی وجہ سے کسی بھی سننے والے کو اس طرح کا اچنبھا نہیں ہو سکتا جو حضرت عمر فاروقؓ کو ہشامؓ کی قراءت سن کر ہوا حالانکہ وہ خود اہل زبان اور انہی کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

"سبعۃ احرف" پر قرآن مجید کے نزول کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مفہوم کا ارشاد نقل ہوا ہے کہ پہلے پہل قرآن مجید کا نزول ایک حرف پر ہوا۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے مراجعت کی کہ میری امت کے لیے مزید عنایت ہو، میں برابر درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ قرآن 'سات احرف' پر نازل ہو گیا۔ اب لوگ ان میں سے جس حرف کو بھی پڑھیں گے، وہ درست ہوں گے۔ اس مفہوم کی حامل احادیث حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ام ایوبؓ سے مروی ہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول وحی کا بڑا انتظار رہتا۔ آپ اس میں اضافہ کے لیے برابر رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا کی دعا مانگا کرتے جو خود وحی کے ذریعے آپ کو سکھائی گئی تھی۔ ہر مشکل میں آپ کی نگاہیں جبرئیل امینؑ کی منتظر رہتیں اور جب وحی آتی تو آپ کے شرحِ صدر اور اطمینانِ قلب کا باعث بنتی۔ قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نزول وحی کے ابتدائی دور میں قرآن مجید کی جو سورتیں نازل ہوئیں وہ نہایت مختصر لیکن نہایت بلیغ انداز میں تھیں۔ بعد میں اجمال کی جگہ تفصیل نے لے لی۔ پھر کفار کی طرف سے بحث و تمحیص کا آغاز ہوا تو ایسی سورتیں نازل ہوئیں جنہوں نے بحثوں کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا۔ امت مسلمہ کو مدینہ منورہ میں استحکام حاصل ہوا تو شریعت کے احکام نازل ہوئے۔ اس طرح درجہ بدرجہ حالات

کی ضرورت کے لحاظ سے قرآن مجید کی طرزیں بدلتی گئیں، یہاں تک کہ تیئیس برس میں اس کی تکمیل ہوگئی۔ ہمارے نزدیک جبرئیل امین سے مراجعت کی روایات کی روشنی میں سبعۃ احرف کا صحیح مفہوم قرآن مجید کے مضامین ہی کے سات پہلو اور اس کی جہتیں ہیں۔ یہ مفہوم مراد لینے سے نہ صرف لفظ 'حرف' سے بُعد پیدا نہیں ہونے پاتا بلکہ قرآن مجید سے اس کی تائید حاصل ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید کی یہ تمام جہتیں قرآن کی ترتیب و تدوین میں سمو دی گئیں۔ اس کی سورتیں سات ایسے زمروں میں تقسیم کر دی گئیں جن میں سے ہر زمرہ قرآن مجید کے معانی کے ایک خاص پہلو کا حامل ہے۔ ان میں ردّ اہل کتاب و قیامِ امتِ مسلمہ، ردِّ مشرکین، کشمکش حق و باطل، نبوت و رسالت، توحید، آخرت اور تنبیہات کے مضامین کو بطورِ خاص بیان کیا گیا ہے۔ ان میں بیانِ کلام کی خوبی یہ ہے کہ ہر زمرہ ہدایت کے مقصد کے لیے کفایت کرتا ہے کیونکہ اس میں اپنے زمرے کا خاص مضمون ہی بیان نہیں ہوتا بلکہ دوسرے زمروں کے مضامین بھی اس قدر بیان ہو گئے ہیں کہ قرآن مجید کو جہاں سے پڑھیے اس کو ہدایت کا کامل ذریعہ پائیں گے۔ اس طرح قرآن مجید اپنی ظاہری حالت میں بھی سبعۃ احرف کا نمونہ ہے۔

خلاصۂ بحث:

اوپر کے مباحث کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں قرآن مجید کی اس صفت کو بیان فرمایا ہے کہ یہ ہفت جہات ہے۔ اس کے مضامین سات زمروں میں بیان ہوئے ہیں جن میں سے ہر ہر زمرہ ہدایت کے مقصد کے لیے موزوں ہے۔ لہٰذا لوگ اس سے بقدرِ سہولت و امکان فیض یاب ہوں۔

باقی رہا حضرت عمرؓ کا واقعہ تو یہ جس انداز سے بیان ہوا ہے اس میں حضرت عمرؓ کی مذمت مقصود ہے۔ اس میں حدیث کے مفہوم کو ایک غلط رخ دینے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ سننے والے کی توجہ مختلف قراءتوں کی طرف پھیری جائے حالانکہ حضرت عثمان غنیؓ نے اس فتنہ کا اپنے دور خلافت ہی میں قلع قمع کر دیا تھا۔

افاداتِ فراہیؒ
خالد مسعود

حکمتِ قرآن (۶)

حکمت علم اور عمل کی جامع ہے:

ایک حکیم کے پاس جو علم ہوتا ہے وہ اس نے دوسروں کی تقلید کر کے نہیں بلکہ اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر حاصل کیا ہوتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں اپنی فطرت کی آواز سنتا ہے کیونکہ اس کی فطرت دوسری تمام چیزوں کی نسبت اس سے قریب تر ہوتی ہے۔ اس کے استدلال کی بنیاد ظن و تخمین پر نہیں ہوتی، نہ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ محض چند اجزاء کو دیکھ کر ان سے عام کلیے اخذ کر لے۔ اس کے برعکس وہ اشیاء کے متعلقات و لوازم کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا اخذ کردہ نتیجہ اس کی بصیرت ہی کا ایک پہلو بن جاتا ہے۔

حکیم اگر کسی چیز میں دلچسپی لیتا ہے تو وہ بھی کسی دوسری چیز کے حوالے سے نہیں ہوتی بلکہ وہ بلاواسطہ اسی چیز کی جستجو کرتا ہے جو اس کی سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے زیادہ لذیذ چیز اور اس کی زندگی کا مقصود ہوتی ہے۔ علم و عمل میں جو لوگ پختہ کار ہوئے ہیں ان کا طرزِ عمل ہمیشہ سے یہی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو جو علم حاصل ہوا وہ ان کے سینے کی ٹھنڈک بن گیا اور جس مطلوب کو انہوں نے اختیار کر لیا تو اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، ان دونوں دولتوں کو انہوں نے خوب خوب سمیٹا اور اس سے اطمینان پایا۔ ایسے ہی لوگ حقیقی عالم و عامل اور واقعی مخلص ہوتے ہیں۔ ان کا علم نہ تو محض برائے علم ہوتا اور نہ بارد یا مردہ ہوتا ہے۔ یہ علم سراپا زندگی، مجسم قوت اور شوق و عمل کا جامع ہوتا ہے پس ایک حکیم نفس اور اس کی بیماریوں، دنیا اور اس کی ناپاکیوں، تقویٰ اور اس کی لذتوں اور شفا بخشیوں سے واقف ہو جاتا اور اپنے رحیم، کریم اور حکیم خدا کو پہچان جاتا ہے۔ وہ خدا پر ایمان

اس کی طرف مائل ہوتا اور اس کے جمال و کمال کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ غفلت کی تلخیوں کو بھی جان جاتا ہے اس لیے اس کی طرف سے نظریں پھیر لیتا ہے۔ اس کا علم، زندہ ایمان اور ایسا کامل یقین ہوتا ہے جیسے وہ غیب کا مشاہدہ یقین کی آنکھوں کے ساتھ کر رہا ہو۔ غیب کا یہ مشاہدہ اس مشاہدہ سے واضح تر ہوتا ہے جو وہ سر کی آنکھوں کے ساتھ کر سکتا ہے۔ ایک آدمی جب کسی خوبصورت حقیقت کو پا جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کو محبوب نہ بنائے لہٰذا ایمان کے نتیجہ میں اللہ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ: ۱۶۵)

جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھنے والے ہیں۔

اس آیت میں حقیقی ایمان ہی کو حُب کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جب جب خدا کو یاد کرتے ہیں وہ اس کی عظمت و کبریائی سے مرعوب ہو جاتے ہیں، اس سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں، خدا کی بزرگی اور اس کا جلال ان پر روشن ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ اس کی طرف دوڑ کر پہنچتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کی رضا کے حوالے کر دیتے ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (انفال - ۲)

مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کریں۔

حکمت کی نشوونما کی شرائط:

حکمت دل کی زندگی ہے۔ زرخیز زمین کے اندر بیج ڈالا جائے تو وہ اگتا ہے اسی طرح دلِ زندہ کے اندر علم کا بیج نشوونما پاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جس دل میں علم کو زندگی ملے اور وہ نشوونما پانے والے بیج کی طرح پھلنے پھولنے لگے تو یہ دل کی زرخیزی کی ایک دلیل ہے۔ علم کی زندگی کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اس کو اپنے حال پر طاری کرے اور اس کے نتیجہ میں عملِ صالح اختیار کرے۔ رہی نشوونما تو یاد رکھنا چاہیے کہ زندگی صرف حرکت پیدا کرنے والی چیز ہی کا نام نہیں بلکہ اس میں ایک خاص ترتیب اور نظام کا پایا جانا ضروری ہے۔ کوئی زندہ شے ایسی نہیں جس میں نظام نہ ہو، لہٰذا ایک منظم علم کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ اس کا حسن، اس کی رونق اور اس کا نفع ہوتا ہے۔ دل کی زندگی کا تقاضا یہ ہوتا

ہے کہ اس کے اندر علم کی نشو و نما کی صلاحیت موجود ہو۔ گویا اصل معاملہ دل کی زندگی ہی کا ہے۔

حکمت کا معاملہ یہ ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کو عطا نہیں کی جاتی جو اس کو پانے کا اہل نہ ہو۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ ایک حکیم دوسروں تک اس کے پہنچانے میں بخل سے کام لیتا ہے بلکہ حقیقت میں وہ اس کے لیے غیرت رکھتا ہے اور غلط بخشی کے نتیجے میں اس کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ یہ بات واضح ہے کہ اگر بنجر زمین میں بیج ڈال دیا جائے تو وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر علم کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اگر یہ نفع نہ دے تو نقصان پہنچانے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اسی لیے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع و قلب لا یخشع۔	اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو عاجزی اختیار نہ کرے۔

آنحضرتؐ کی یہ دعا اس عظیم حقیقت پر بھی دلیل ہے کہ اگر دل خشوع کی صفت سے خالی ہو تو آدمی کا علم اس کو کوئی نفع نہیں دیتا۔ یہیں سے ہمیں یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ کون سی چیز دل کو زندہ رکھتی اور اس میں حکمت کو قبول کرنے کی صلاحیت کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔ اصل میں دل کا خشوع وہ دروازہ ہے جس کے راستے حکمت دل میں داخل ہوتی ہے۔ یہ حکمت کو پانے کی شرطِ اول ہے اور اس کی تصریح قرآن مجید اور حدیثِ صحیح دونوں سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ خشوع حاصل کیسے ہوتا ہے اور حکمت کے حصول کے لیے دل کو کیسے تیار کیا جاتا ہے۔

ایک غور کرنے والا شخص جب آسمان، زمین اور انفس میں خدا کی قدرت، حکمت، ربوبیت اور رحمت کا مشاہدہ کرتا ہے، پھر اپنے نفس کو دیکھتا ہے کہ وہ انتہائی بلندی اور انتہائی پستی کے درمیان رکھ دیا گیا ہے تو یہ چیز اس کے اندر خدا کی خشیت اور امید ساتھ ساتھ پیدا کرتی ہے۔ پھر اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ دنیا ایک مقصد کے تحت وجود میں آئی ہے، اس کا پیدا کرنے والا عادل اور ایک پاکیزہ رب ہے۔ اس کے بالمقابل وہ خود غلط کار، بھٹکنے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا ہے۔ یہ احساس اس کے اندر اس قدر خشیت پیدا کرتا ہے کہ وہ خلوت و جلوت میں حدودِ الٰہی کی پابندی کرنے لگتا ہے۔ وہ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے باز رہتا ہے۔ خشیت اور تقویٰ کی ان صفات سے اس کا قلب صاف ہوتا اور حکمت کے نور کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

اسی بنا پر کتاب الامثال میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ حکمت کا سرا رب کی خشیت ہے۔

اسی خشیت اور تقویٰ کے نتیجے میں بندہ خشوع اور فروتنی کا لباس اوڑھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ساری بادشاہی تنہا اس کے منعم رب کی ہے اور وہ اس کے آگے بے بس ہے۔ وہ رب سے دور ہونے سے ڈرتا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارتا ہے۔ وہ اسی سے طالبِ مدد ہوتا اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اس خشوع کے نتیجے میں آدمی کے اندر علم کی تعظیم اور اس کے بارے میں حسنِ ظن پیدا ہوتا ہے اور اعتراض کرنے کی روش ختم ہو جاتی ہے۔ یہ چیز حکمت کی نشوونما کے لیے آدمی کو تیار کرتی ہے اور یہ خشوع رفعِ درجات کا ذریعہ بنتا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ - ۱۱)	اور جب کہا جائے کہ (مجلس سے) اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔ اللہ ان لوگوں کے جو تم میں سے اہلِ ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے، مدارج بلند کرے گا۔

اس حقیقت کی طرف ایک لطیف اشارہ اس آیت میں بھی ہے:

فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (النحل - ۶۹)	پھر اپنے پروردگار کے ہموار رستوں پر چل۔

حکمت بالتدریج حاصل ہوتی ہے:

حکمت کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ یکبارگی یہ کبھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ مختلف مواقع پر آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے جس طرح مکان یکبارگی تعمیر نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لیے نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اسی طرح کا معاملہ حصولِ حکمت کی راہ میں پیش آتا ہے۔ غذا کو بڑی مقدار میں ایک ہی دفعہ معدے میں ڈالنے کی کوشش کی جائے تو معدہ اس کو قبول نہیں کرتا اور وہ ضائع جاتی ہے اسی طرح قلب کے اندر بھی حکمت کو ایک ہی مرتبہ میں اٹھا لینے کی طاقت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کو یکبارگی نہیں اتارا گیا۔ اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی مصلحت یہ بتائی گئی کہ:

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ	تاکہ اس کے ذریعے سے ہم تمہارے دل کو مضبوط

تَرْتِيلاً ۔ (الفرقان - ٣٢)

کریں اور ہم نے اس کو تدریج و اہتمام کے ساتھ اتارا ہے ۔

حکمت کی تعلیم دینے والا بھی اس طریقہ کا لحاظ رکھتا ہے ۔ وہ ہمیشہ مختصر کلام کرتا ہے تاکہ شاگرد اس پر جلدی سے نہ گزر جائے بلکہ اس کو سمجھنے کے لیے مزید شرح و تفصیل کا خواہشمند، استاد کا محتاج اور اس کے ساتھ طویل صحبت کا طالب ہو ۔

نظم قرآن صرف اہل شخص پر کھلتا ہے :

اسی حقیقت کے فہم سے میری رہنمائی قرآن مجید کے نظم کی حکمت کی طرف ہوئی ہے ۔ قرآن نے اپنی تعلیم کے لیے کئی طریقے اختیار کیے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ہر ہر آیت کو ایک مستقل تعلیم کا حامل بنایا ہے ۔ جب آدمی ایک تنہا آیت کو محل تدبر بناتا ہے تو اس کو اسی پر اپنی توجہ مرتکز کرنے کا موقع مل جاتا ہے ۔ یہ اسی طرح کی بات ہوئی جیسے کارخانوں کے کارکنوں کے لیے ایک مخصوص شعبہ ہی میں مشغولیت کافی سمجھی جاتی ہے ۔ اگر کارخانے کا پورا نظام ان پر کھول دیا جائے تو وہ ششدر رہ جائیں اور ان کے لیے وہ کام کرنا بھی مشکل ہو جائے جس کے کرنے کی وہ اہلیت رکھتے ہیں ۔ کامل نظام ہمیشہ اس شخص پر کھولا جاتا ہے جو اس کو سمجھنے کا اہل ہوتا ہے ۔ کارخانے کے کارکن کی طرح فوج کا ایک سپاہی اپنے مورچے پر ڈیوٹی کے لیے کافی ہوتا ہے اور وہ اس سے ہٹ کر اس سے زائد کسی چیز کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتا ۔ لڑائی کا پورا نقشہ صرف کمانڈر کے پاس ہوتا ہے اور وہی اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر بہت سے لوگوں نے قرآن سے معمولی واقفیت پر قناعت کر لی اور اس کے اجزا کے باہمی ربط کو جاننے کی کوشش نہیں کی ۔ لیکن جو شخص حکمت کی کسی وادی کا آشنا ہو جاتا ہے وہ قرآن کے مجموعی نظم کی طرف رہنمائی پاتا ہے ۔ اس کی نظر میں مجموعہ آیات کی خوبیاں، بلند حقائق علمیہ، علوم الٰہیہ کے مختلف شعبوں کا نقطۂ جامعہ اور کتاب اللہ سے حاصل ہونے والی شفائے کلی، ہر چیز سما جاتی ہے ۔

مسلمانوں کے اولوالامر کے لیے نظم قرآن سے واقف ہونا ضروری ہے :

اوپر کی بحث سے ہم اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات جس شخص کے حوالہ

کیے گئے ہوں، اس کے لیے اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے نظم سے بے خبر رہے کیونکہ اس کے لیے اصل رہنما قرآن ہی ہو سکتا ہے ۔ اگر اس کا حال یہ ہے کہ وہ قرآن کے متفرق امور ہی سے واقفیت رکھتا ہو اور صفات کے مدارج اور نظام سے بے بہرہ ہو تو ایسا لیڈر افراط و تفریط کے درمیان ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا ۔ اس کا اجتہاد جانبداری پر مبنی اور حق سے دور کرنے والا ہو گا ۔ آپ ان بڑے لوگوں کی سیرت پڑھیے جنہوں نے خلافت کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہی ایسے فتنے پیدا کر دیے کہ ارکان اسلام ہی ان سے خطرے میں پڑ گئے تو صاف نظر آتا ہے کہ دین کے معاملے میں ان کی شدت اور ان کا زہد و تقشف اس کا باعث ہوا، حالانکہ ان کے اندر دین کی نصرت کا جذبہ اور اس کے لیے مطلوب شجاعت اور جرأت بھی موجود تھی ۔ مجموعی طور پر ان لوگوں کے اعمال کے پلڑے ہلکے رہ گئے اور اس کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے اعمال کو عقل سے خالی رکھا، فرع کو اصل اور سنت کو فرض کا درجہ دیا اور جس چیز کی حیثیت دم کی تھی اس کو سر کی حیثیت دے دی ۔ اگر یہ لوگ حکمت سے بہرہ ور ہوتے اور کتاب اللہ میں پائی جانے والی ہدایت کو اس کی واقعی اہمیت دیتے تو لوگ اس کی طرف بھاگ کر جاتے ۔

ظواہر شریعت اور ان کے اصول و حقائق کے مابین وہی تعلق ہے جو عوام اور ان کے خواص و علماء کے مابین ہے ۔ جس طرح عوام اپنے خواص پر غالب نظر آتے ہیں اسی طرح ظواہر شریعت دین کی روح پر غالب نظر آتے ہیں ۔ اس بات کو ہادی علیہ السلام نے اچھی طرح واضح فرمایا ۔ آپ نے خوارج کے معاملہ میں اس حقیقت کو وضاحت سے بیان کیا ہے ۔ ملت کا نظام خراب اس وقت ہوتا ہے جب اشرار کو غلبہ حاصل ہو جائے ۔ ان کے حملے عوام پر ظاہری امور میں تو جاری رہتے ہی ہیں اور یہ ان کی بنیادوں کو ڈھانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ لیکن بعد میں ان کو ان لوگوں کی تائید بھی حاصل ہو جاتی ہے جن کی عقلیں کوتاہ لیکن کام کرنے میں وہ بہت تیز ہوتے ہیں ۔ اس طرح اشرار غلبہ پا کر ملت کی تنظیم کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں ۔

اوپر ہم نے دین دار لیکن جاہل لوگوں کے غلبہ کے نتائج بیان کیے تھے اور اب اشرار کے غلبہ کی مضرت واضح کی ہے ۔ اصولی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس صاحب امر نے فرع کو اصل کی جگہ دے دی اور پست کو بلند کا درجہ دیا اس نے ملت کے نظام کو منتشر کر دیا ۔ اس سے نظم قرآن کو سمجھنے کا فائدہ اور اس سے بے خبری کا نقصان واضح ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کی اصلاح (اور اس کے ساتھ دوسری امتوں کی اصلاح) اسی حکمت سے ہو گی جس کی طرف قرآن رہنمائی دیتا ہے ۔ اس حکمت تک پہنچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ آدمی یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے

شاندار نظم کے اندر کیا کیا معارف رکھ دیے ہیں۔ جو شخص نظم کے لحاظ رکھے بغیر حکمت قرآن کو جاننا چاہے گا۔ وہ کتاب اللہ کے فہم میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا اور اپنی تدابیر میں گمراہی میں پڑ جائے گا۔

ؔ مصنف علیہ الرحمۃ کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال بعض سرداروں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کا مقصد ان کی تالیف قلب کر کے ان کو اسلام کا حامی بنانا تھا اس پر ایک شخص نے آگے بڑھ کر آپ کو ٹوکا اور کہا کہ آپ عدل سے کام لیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آسمان و زمین کے رب نے میرے اوپر اعتماد کیا ہے اور وہ صبح و شام وحی کی امانت میرے حوالہ کرتا ہے، میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ یہ سن کر حضرت عمرؓ یا حضرت خالدؓ بن ولید اٹھے اور اس معترض شخص کی گردن مارنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ اس قماش کے لوگوں کی ظاہری نمازیں ایسی ہیں کہ تمہاری نمازیں ان کے آگے شرما جائیں۔ یہ قرآن مجید کی شاندار قراءت کرتے ہیں لیکن وہ ان کے گلے سے اوپر اوپر ہی رہتا ہے۔ یہ لوگ ظاہری نیکی کے باوجود دین سے نکل جانے والے ہیں۔ یہ حدیث مختلف واسطوں سے صحیح مسلم کی کتاب الزکوٰۃ میں باب ذکر الخوارج و صفاتہم میں آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ظواہر شریعت میں تو بے حد انہماک ظاہر کرتے ہیں لیکن اصولِ دین سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ حضورؐ پر اعتراض کرنے والے شخص نے یہ نہیں سمجھا کہ رسول پر ایمان لانے کے تقاضے کیا ہیں۔ اس کی ظاہری نیکی اس کو دین کی حقیقت سے آگاہ کرنے میں ناکام رہی۔ (مترجم)

سید شیر محمد

حضرت یونسؑ اور واقعۂ حوت

[سید شیر محمد صاحب ایک بزرگ محقق ہیں جو قرآن مجید کے بیانات کی تصدیق کی خاطر جدید ترین تحقیقات کے نتائج کی کھوج میں رہتے ہیں۔ ان کا ایک مضمون 'ہامان کی اثری تحقیق' کے عنوان سے تدبر کی ایک سابقہ اشاعت میں دیا گیا تھا۔ درج ذیل مضمون میں انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے اور پھر اس سے نجات پانے کے واقعہ کے حق میں وہ شواہد جمع کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع مچھلی کی ایک ایسی قسم پائی جاتی ہے۔ جس کی خصوصیات اس نوعیت کی ہیں کہ یہ واقعہ اس میں پیش آ سکتا تھا۔

فاضل مصنف نے بڑے حجم کی ہر قسم کی مچھلیوں مثلاً شارک، وہیل وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان میں سے کسی میں ایسی خصوصیات موجود نہیں ہیں کہ کوئی شخص نگلے جانے کے بعد ان میں سے برآمد ہو سکے۔ البتہ یہ امکان صرف سپرم وہیل میں پایا جاتا ہے۔

حضرت یونسؑ کا تذکرہ قرآن مجید میں سورۃ الصافات: ١٣٩ تا ١٤٨، سورۃ القلم: ٤٨ تا ٥٠ اور سورۃ الانبیاء: ٨٧، ٨٨ میں موجود ہے۔ (ادارہ)]

ہماری تحقیقات کے مطابق حضرت یونسؑ اور حوت کا معجزہ نادر الوقوع اور محیر العقول ضرور ہے لیکن ناممکن الوقوع ہرگز نہیں۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ معجزہ ہوتا ہی محیر العقول ہے جس سے انسانی عقل عاجز آ جائے۔ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے ایسے حالات و عوامل کا اجتماع رونما کر سکتا ہے اور ایسے امر جاری کر سکتا ہے جن میں یہ معجزہ واقع ہوا۔ ہماری تحقیقات کی رو سے حوت ایک قسم کی وہیل تھی۔ جسے SPERM WHALE کہتے ہیں۔ اس کو غزوہ سیف البحر سے متعلق احادیث میں عنبر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ اس کی انتڑیوں سے مشہورِ زمانہ خوشبو نکلتی ہے جسے AMBERGRIS یعنی عنبر کہا جاتا ہے۔

ذیل میں ہم اس آبی جانور کی قامت و جسامت ۔ فطری اور قدرتی اوصاف و خصائل اور مخصوص عادات میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اس معجزے کے وقوع کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ سب اوصاف و خصائص کسی اور قسم کی وہیل یا مچھلی مثلاً شارک وغیرہ میں سے کسی ایک کو بیک وقت ودیعت نہیں کیے گئے ۔ اس لیے ان میں سے کسی ایک کا اس معجزے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

(الف) جسامت کے لحاظ سے وہیل کی ایک قسم جسے نیلی وہیل (BLUE WHALE) کہتے ہیں سب وہیلوں سے بڑی ہوتی ہے ۔ اس کی لمبائی سو ۔ سوا سو فٹ تک ہوتی ہے اور وزن ایک سو پچاس ٹن تک ہوتا ہے ۔ عنبر کی اوسط لمبائی ۶۰ ۔ ۷۰ فٹ ہوتی ہے اور اس کا وزن ۹۰ ٹن تک دیکھنے میں آیا ہے ۔ نیلی وہیل کے مقابلے میں عنبر کی جسامت اور وزن کم ہوتے ہیں ۔ ڈاکٹر بیل (BEALE) اور ڈاکٹر بینٹ (BENNET) نے ایک عنبر کی لمبائی ۸۴ فٹ لکھی ہے ۔ اس کا زیادہ سے زیادہ محیط ڈاکٹر بیل کے اندازے کے مطابق ۱۰۳ فٹ اور زمین پر لٹانے کے بعد اس کی زیادہ سے زیادہ اونچائی ۱۲ سے ۱۴ فٹ ہوتی ہے ۔ عنبر ۔ وہیل کے ایک مشہور شکاری بلن (BULLEN) نے اپنی مشہور کتاب (THE CRUISE OF THE CACHALOT) میں لکھا ہے کہ ایک عنبر کی لمبائی جو اس کے مشاہدے میں آئی ۷۰ فٹ تھی ۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ پیدائش کے وقت عنبر کے بچے کی لمبائی تقریباً ۱۳ ۔ ۱۴ فٹ اور وزن ایک ٹن سے کچھ زائد ہوتا ہے اور یہ تقریباً ایک ٹن دودھ روزانہ پیتا ہے ۔ دو سال کی عمر میں اس کی لمبائی ۲۴ فٹ اور وزن ۴ ٹن تک پہنچ جاتا ہے ۔ عنبر کی روزانہ خوراک اس کے وزن کے تین فی صد تک ہوتی ہے اور وہ پانی نہیں پیتی ۔

(ب) عنبر وہیل کا جبڑا بہت لمبا ہوتا ہے ۔ بلن نے ایک عنبر کا نچلا جبڑا ناپا تو وہ ۱۹ فٹ تھا ۔ عام اندازے کے مطابق اس کے سر کی لمبائی اس کے جسم کی کل لمبائی کے ۱/۳ کے برابر ہوتی ہے گو انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی جلد نمبر ۱۹ مطبوعہ ۱۹۸۱ء کے صفحہ ۸۰۸ پر مندرج بیان کے مطابق یہ ۱/۴ تک بھی ہو سکتی ہے ۔ اس کے اوپر کے جبڑے میں دانت نظر نہیں آتے البتہ نچلے جبڑے میں بلوغت سے قریب فاصلے فاصلے پر دانت نکل آتے ہیں ۔ جن سے یہ اپنی خوراک کو چبانے کا کام نہیں لے سکتی ۔ البتہ اس کے بڑے بڑے ٹکڑے کر سکتی ہے ۔ یہ اپنی خوراک کو جو بالعموم (SQUIDS) پر مشتمل ہوتی ہے سالم نگل لیتی ہے ۔

(ج) اس کا حلق بہت فراخ اور وسیع ہوتا ہے جس سے یہ ایک لحیم و شحیم انسان کو بہ آسانی

نگل سکتی ہے اور بعد میں خاص حالات میں اُسے اُگل کر باہر پھینک سکتی ہے ۔ اس کے حلق کے پیچھے کئی جھریاں (FOLDS) بھی ہوتی ہیں اور جب اسے معمول سے زیادہ بڑی چیز نگلنا پڑ جائے تو اس کا حلق جھریوں کے کھل جانے کی وجہ سے وسیع تر ہو سکتا ہے اور وہ ایک عام انسان کی جسامت سے بڑی اشیاء کو بھی بہ آسانی نگل سکتا ہے ۔

(د) اس کے پیٹ کے چار بڑے بڑے حصے ہوتے ہیں ۔ تازہ شکار یا تو اس کے حلق میں اٹک جاتا ہے یا کچھ دیر بعد اس کے پیٹ کے پہلے حصے میں چلا جاتا ہے ۔ اس کا عملِ انہضام بعد میں اس کے پیٹ کے دوسرے اور تیسرے حصے میں ہوتا ہے ۔

(ہ) اکثر اوقات یہ آبی کوہ پیکر جانور دریاؤں یا سمندروں کے ساحلوں پر موجوں کے جزر کے وقت یا اس کے بعد آوارہ ، درماندہ یا وارفتہ حالت میں بھی پایا جاتا ہے ۔ اس وقت اس پر ایسی سراسیمگی اور وحشت طاری ہو جاتی ہے کہ یہ واپس دریا یا سمندر میں نہیں لوٹ سکتا ۔ اس وقت اس پر جان کنی شروع ہو جاتی ہے اور اپنے ہی بھاری بوجھ تلے اس کا سینہ دب کر پچک جاتا ہے اور اس کے پھیپھڑے جواب دے جاتے ہیں ۔ اکثر اوقات عنبر وہیل کے غول اس طرح کسمپرسی کی حالت میں بعض ساحلوں پر دیکھنے میں آتے ہیں ، اگرچہ کبھی کبھی اِکا دُکا عنبر وہیل بھی ساحلوں پر مُردہ حالت میں پائے گئے ہیں ۔ برزن (BERZIN) نامی ایک روسی ماہر نے ایک معتبر معلوماتی کتاب عنبر وہیلوں پر لکھی ہے ۔ اس میں اس نے لکھا ہے "کہ کئی دفعہ بڑے بڑے سمندروں کے ساحلوں کے علاوہ ، بحیرہ روم ، عرب امارات ، خلیج ایران ، بحیرہ قلزم اور اردگرد کے علاقائی ساحلوں پر بھی ایسے عبرت ناک مناظر دیکھنے میں آتے ہیں ۔"

(و) ماہرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب عنبر وہیل قریب مرگ ہوتی ہے یا شکاری کے وار سے قریب مرگ ہو جاتی ہے یا کسی اور وجہ سے وحشت و سراسیمگی میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اکثر خوراک وغیرہ کو جو اس نے کچھ دیر پہلے نگلی ہو اپنے حلق یا پیٹ کے پہلے حصے سے باہر اُگل پھینکتی ہے ۔ بلن نے لکھا ہے "کہ ایک دفعہ اس نے سمندر کی سطح پر ایک ضخیم تیرتی ہوئی دیکھی جو بہت صاف اور شفاف تھی ، جس کی ضخامت ۴' × ۴' × ۸' تھی ۔ مزید تحقیقات پر اسے معلوم ہوا کہ یہ بحری جانور (CUTTLE FISH) یا (SQUID) کا ایک ٹکڑا تھا جسے ایک سپرم وہیل نے ہڑپ کر لیا تھا اور بعد میں موت سے پہلے اس نے اسے باہر اُگل پھینکا تھا ۔ ۱۹۵۵ء میں کلارک (CLARKE) نامی ایک برطانوی ماہر نے ایک ۴۷ فٹ لمبے عنبر سانڈ کا پیٹ چاک کیا تو اس میں سے ایک سالم

(SQUID) برآمد ہوا۔ جس کی لمبائی ۳۴ء۵ فٹ تھی اور اس کا وزن چار سو پاؤنڈ تھا۔ اسی ماہر نے ۱۹۵۶ء میں ایک اور عنبر کے پیٹ میں سے ایک ۸ء۲ فٹ لمبی شارک نکالی۔ نارمن اور فریزر نامی دو برطانوی ماہرین نے ایک عنبر وہیل کا پیٹ چاک کیا تو اس میں سے ایک ۱۰ فٹ لمبی شارک برآمد ہوئی۔ ایک امریکی مصنف رچرڈ ایلس (RICHARD ELLIS) نے بھی کئی ایسے واقعات کا ذکر اپنی کتاب THE BOOK OF WHALE میں کیا ہے۔ اس نے اس کتاب کے صفحہ ۱۰۳ پر جاپانی ماہرین اوکوتانی اور نموتو (OKOTANI & NEMOTO) کے حوالے سے لکھا ہے کہ عنبر وہیل کے پیٹ میں جو جو سکوئڈ ان کے مشاہدے میں آئے وہ بھی بالکل صحیح سالم تھے اور ان کے جسموں پر وہیل کے دانتوں وغیرہ کے نشان یا زخم نہ تھے۔ ایلس نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک قریب المرگ عنبر نے کئی بھری ہوئی بالٹیوں کے برابر تازہ کھائے ہوئے (SQUIDS) بذریعہ قے باہر اُگل پھینکے۔

(ز) عنبر وہیل کی ایک مخصوص حالت جس کا ذکر ڈاکٹر بیل (Dr BEALE) اور پروفیسر سلیجپر (SLIJPER) نے کیا ہے یہ ہے کہ پانی میں تیرتے وقت عنبر وہیل اپنے نچلے جبڑے کو نیچے لٹکا لیتی ہے اور اس طرح اس کے تالو اور جبڑے کی پُرکشش رنگت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس رنگت کا ایک مسمریزی اثر ہوتا ہے جس سے مسحور ہو کر جاندار شکار مثلاً مچھلی یا سکوئڈ خود بخود اس کے حلق میں کھنچے چلے آتے ہیں۔ جو ماہرین اس جادو اثری کے قائل نہیں وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عنبر پانی میں تیرتے وقت اپنا مُنہ کھلا رکھتی ہے اور جو چیز بھی اس کے مُنہ کے سامنے آتی ہے وہ خود بخود اس کے حلق میں اُتر جاتی ہے۔ عام طور پر سکوئڈ اس کی خوراک کا اہم جزو ہے گو یہ ہر قسم کی مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور بھی کھا جاتی ہے۔ بعض ماہرین نے لکھا ہے کہ کئی عنبر وہیلیں اندھی ہو جاتی ہیں یا باہمی لڑائی یا حادثات میں ان کے نچلے جبڑے ٹوٹ جاتے یا مُڑ جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ اپنی دوسری تندرست ساتھی عنبر وہیلوں کے مقابلے میں لاغر یا کمزور تر نہیں پائی گئیں کیونکہ حسبِ عادت مُنہ کھول کر تیرتے وقت ان کی خوراک کافی مقدار میں ان کے حلق میں اُتر جاتی ہے۔

(ح) عنبر وہیل ایک سیلانی آبی جانور ہے جو غولوں کی صورت میں محوِ سفر رہتا ہے اور دنیا کے اکثر سمندروں، دریاؤں، خلیجوں، کھاڑیوں اور بڑی بڑی جھیلوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کا مخصوص عملِ تنفس اور اس کا متعلقہ نظامِ تنفس بھی قابلِ غور ہے۔ اس کے تنفس میں حیرت انگیز باقاعدگی پائی جاتی ہے۔ عنبر وہیل بڑی باقاعدگی کے ساتھ غوطے بھی لگاتی ہے۔ بعض دفعہ تو عنبر وہیل ۳۷۲۰ فٹ کی گہرائی تک یا اس سے بھی زیادہ گہرائی تک غوطہ لگاتی پائی گئی ہے۔ ایک دفعہ اس کا غوطہ ۸۲ منٹ

تک جاری رہا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سطحِ آب سے نیچے تیرتے وقت یا غوطے کے دوران یا منہ کھول کر شکار کے وقت اس کے حلق یا پیٹ یا پھیپھڑوں میں پانی داخل نہیں ہو سکتا۔ برزن نے اپنی کتاب کے صفحات ۱۱۱، ۱۱۵ اور ۱۱۶ پر اس امر کی وضاحت کی ہے۔ ڈاکٹر بیل نے بھی اس خصوصیت پر روشنی ڈالی ہے۔

عام مشاہدوں میں آیا ہے کہ اگر عنبر وہیل ایک منٹ تک پانی میں غوطہ لگاتی ہے تو ایک دفعہ سطحِ آب پر نمودار ہو کر مخصوص طور سے سانس باہر نکالتی ہے جو ایک مرطوب بھاپ کی صورت میں بلند اُٹھتا ہے۔ علاوہ بریں بعض اوقات سطحِ آب سے اوپر بہت بلند چھلانگ بھی لگاتی ہے۔

(ط) غزوۂ سیف البحر کے سلسلے میں ہم جس عنبر وہیل کا ذکر اشارۃً کر چکے ہیں۔ اس کی کچھ تفاصیل دلچسپ ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ اس کی عظیم جسامت کے پیشِ نظر اسے ایک بہت بڑے ٹیلے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ اس قدر عظیم الجثہ تھی کہ تین سو غازیوں نے جن کا راشن ختم ہو چکا اور درختوں کے پتے کھاتے رہے انہوں نے اٹھارہ دن تک اس کا گوشت پیٹ بھر بھر کر کھایا اور اس کی چربی (BLUBBER) سے اپنے نحیف و نزار جسموں پر مالش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ تندرست و توانا ہو گئے۔ اس کا کچھ گوشت وہ اپنی واپسی پر مدینہ منورہ لے گئے۔ جسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا۔ اس عنبر کی جسامت کا مزید اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے جو اس لشکر کے سالار تھے، اس کی پسلی کی ہڈیوں کو زمین میں گڑوا کر ایک طویل القامت غازی کو ایک اونچے اونٹ پر سوار کروا کر اس کے نیچے سے گزرنے کا حکم دیا تو وہ بہ آسانی گزر گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا انسان کو ایسا حادثہ پیش آ سکتا ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو پیش آیا تھا۔ ہمارے مطالعے میں ایک ایسے حادثے کا ذکر آیا ہے۔ فرانس کے رسالہ JOURNAL DES DEBATS مجریہ ۱۴ مارچ ۱۸۹۸ء میں عنبر وہیل کے ایک شکاری جیمز بارٹلے (JAMES BARTLEY) کا واقعہ شائع ہوا تھا۔ جو عنبر کے شکار کرنے والے THE STAR OF THE EAST نامی جہاز پر ملازم تھا۔ جنوبی امریکہ کے ملک ارجنٹائن کے نزدیک فاک لینڈ کے جزیرے کے قریب اس جہاز کے عملے کو ایک عنبر وہیل دکھائی دی جسے شکار کرنے کے لیے ایک کشتی سمندر میں اتاری گئی۔ اس کو بارٹلے چپوؤں کے ذریعے سے چلا رہا تھا۔ دورانِ شکار وہیل سے شدید مقابلہ ہوا تو وہیل کی ٹکر سے کشتی دو ٹکڑے ہو گئی اور بارٹلے سمندر میں گر کر وہیل کے حلق میں چلا گیا۔

کوئی دو گھنٹے بعد یہ وہیل ماری گئی۔ اگلے روز جب علی الصبح وہیل کا پیٹ چاک کیا گیا تو اس میں بارٹلے بے ہوشی کے عالم میں زندہ پایا گیا۔ اس کے ساتھیوں نے نکال کر اسے فوری طبی امداد پہنچائی۔ چنانچہ مناسب علاج معالجے اور دیکھ بھال اور آرام کے بعد بارٹلے تندرست ہو گیا۔ گو وہیل کے اندر تیزابی رطوبتوں سے اس کی جلد متاثر ہوئی جو اپنا اصلی رنگ کھو بیٹھی۔ بعض سائنسدانوں نے اس واقعے کی اصلیت سے انکار کیا ہے۔ لیکن اس کے لیے کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی۔ ۱۹۲۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ولسن نے پرنسٹن تھیولوجیکل ریویو کی جلد نمبر ۲۵ میں ایک آرٹیکل لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ بارٹلے کا قصہ صحیح ہے اور سائنس کے نقطۂ نظر سے اس کے صحیح تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ انہوں نے اس قسم کے ایک اور حادثے کا بھی ذکر کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بائبل کے موجودہ مفسرین نے سائنسدانوں کی شدید نکتہ چینی کے پیشِ نظر یونسؑ اور "بڑی مچھلی" کے قصے کو ایک تمثیل کہا ہے۔

ہم پورے یقین سے کہتے ہیں کہ حضرت یونسؑ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ جب وہ نینوا سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہوئے تو دریا میں یکایک طوفان اٹھا۔ کشتی والوں نے قرعہ ڈالنے کے بعد حضرت یونسؑ کو دریا میں اٹھا پھینکا۔ وہاں اتفاق سے اس وقت ایک عنبر وہیل حسبِ معمول منہ کھولے دریا میں تیر رہی تھی۔ اس نے حضرت یونسؑ کو ہڑپ کر لیا۔ پھر آناً فاناً طوفان تھم گیا۔ جب حضرت یونسؑ عنبر کے پیٹ میں تھے تو انہوں نے نہایت خشوع وخضوع سے استغفار کی۔ رب العزت نے ان کی دعا قبول کر لی۔ طوفان ختم ہونے کے بعد چونکہ جزر آ گیا۔ اس لیے عنبر وہیل ساحلِ دریا پر پڑی رہ گئی اور قریب المرگ ہو گئی۔ پھر اس نے حسبِ معمول انہیں ریتلے ساحل پر اُگل پھینکا۔ لیکن خدائے عزوجل نے جو قادرِ مطلق ہے۔ انہیں زندہ سلامت بچا لیا۔ گو وہیل کے پیٹ یا حلق میں رہنے کی وجہ سے اس کے اندر کی تیزابی رطوبتوں سے ان کی جلد متاثر ہوئی لیکن شافیٔ مطلق نے انہیں شفا بخشی۔

حضرت یونسؑ کتنی دیر عنبر وہیل کے پیٹ میں رہے۔ اس کے متعلق علماء میں اختلافِ رائے ہے۔ بغوی نے بحوالہ مقاتل بن حیان لکھا ہے تین روز رہے۔ عطا نے سات روز کہا ہے۔ ضحاک نے کہا ہے کہ بیس روز۔ سدی کلبی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا ہے کہ چالیس روز۔ لیکن ہمیں ان کی آراء کے قبول کرنے میں تردد ہے کیونکہ عنبر وہیل کے حلق یا پیٹ کے پہلے حصے میں تو انسان زندہ رہ سکتا ہے اور وہاں سے عنبر وہیل اسے باہر اُگل کر پھینک سکتی ہے لیکن وہاں زیادہ عرصہ نہیں اٹکا رہ سکتا۔ وہاں سے پیٹ کے دوسرے یا تیسرے حصے میں پہنچنا ایک قدرتی عمل ہے اور ان

حصص میں عملِ انہضام شروع ہو جاتا ہے۔ وہاں اول تو زندہ بچ رہنا ناممکنات میں سے ہے اور پھر وہاں سے باہر اُگل پھینکا جانا بعید از قیاس ہے۔ ہمیں حاکم کی روایت میں حضرت ابن عباس کے قول اور ابوالشیخ کی روایات میں ابو مالک کے قول اور عبدالرزاق اور ابن مردویہ کی روایت میں ابن جریج کے قول اور عبد بن حمید و ابن المنذر کی روایت میں عکرمہ کے قول سے اتفاق ہے کہ دن کا کچھ حصہ حضرت یونسؑ عنبر وہیل کے پیٹ میں رہے البتہ وقت کا تعین کہ چاشت کے وقت سے شام تک رہے، اس سے ہمیں اتفاق نہیں۔ اس ضمن میں ہم یہ بیان کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ بائبل کے مطابق حضرت یونسؑ تین دن اور تین رات "بڑی مچھلی" کے پیٹ میں رہے۔ یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ٹی ایچ ہکسلے جیسے مشہور سائنسدان نے اس بیان کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے بلکہ بعض نے تو اس کی تضحیک کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دور میں بائبل کے اکثر مفسرین بائبل کے اس قصے کو ایک تمثیل کہتے ہیں اور اس کی تاریخیت اور واقعیت کے منکر ہیں۔

اپنی سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس معجزے کے وقوع کے تسلیم کرنے میں کوئی عقلی دلیل مانع نہیں ہے اور کوئی صاحبِ عقل و فہم انسان اس کے قرآنی بیان پر کسی قسم کی حرف گیری نہیں کر سکتا۔ اس کے قرآنی اذکار غیر ضروری جزئیات سے پاک ہیں۔ یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ باوجودیکہ موجودہ دور میں سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی ہے تاہم عنبر وہیل کے متعلق ابھی تک کما حقہٗ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں اور ماہرین اور سائنسدان لگاتار اس حیرت انگیز مخلوق کے متعلق تحصیلِ علم اور مشاہدات میں مصروف ہیں اور سوائے اس دعا کے ہمیں چارہ نہیں کہ

"ربِّ زِدنِي عِلْمًا"

امین احسن اصلاحی

انسانی فطرت کی خصوصیات

سوال: بہت سے بچے ایک ہی ماحول میں پرورش پانے کے باوجود مختلف فطرت کے مالک کیوں ہو جاتے ہیں اور ان کی صلاحیتوں میں کیسے فرق ہو جاتا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں یہ بات نہایت واضح الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ تمام انسانوں کی فطرت ایک ہی ہے۔ اس کو قرآن نے فطرت اللہ کہا ہے۔ فرمایا

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا — اللہ کی فطرت کو اختیار کرو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی واضح فرمایا کہ کل مولود یولد علی الفطرة 'یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور حیوان کی جبلت میں بڑا فرق ہے۔ حیوانات کی جبلت ایک خاص ڈگر کی پابند ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ بلی بھوکی مر جائے گی لیکن جو چیز اس کی غذا نہیں، خواہ وہ آپ کی کتنی قیمتی غذا ہو، اس کو ہرگز نہیں چکھے گی۔ اس کے برعکس انسان کی فطرت ہر سانچے میں ڈھل سکتی اور ہر تبدیلی کو قبول کر لیتی ہے۔ انسانی فطرت کا سریع الانفعال ہونا اور اثرات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھنا اس کا ایک ایسا جوہر ہے جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں پایا جاتا۔ کبھی انسان کا یہی جوہر اس کے لیے بہت بڑے خطرے کا باعث بھی بن جاتا ہے جب اس کی فطرت برائی کو اختیار کر لیتی ہے۔

انسان کی فطرت کو جو چیزیں متاثر کرنے والی ہیں ان میں اس کا کنبہ، اس کا خاندان، اس کا ماحول، بازار، تعلیم گاہیں، الغرض ہر چیز ہے۔ زندگی میں نہ جانے کن چیزوں سے اس کو سابقہ پڑتا ہے۔ ہر چیز کی چھاپ اس پر پڑتی ہے، اس کی فطرت اس سے متاثر ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان بدلتا رہتا ہے۔ ایک شخص کو شروع کی زندگی میں اچھا ماحول نہیں ملتا تو وہ بدکردار بن جاتا ہے۔ لیکن آئندہ زندگی میں اس

کو اچھا ماحول مل جائے تو وہ عاقل و فرزانہ حکیم بھی بن سکتا ہے۔ اسی طرح ایک نیک ماحول میں پرورش پانے والا بچہ آگے چل کر معاشرہ سے غلط اثرات لے کر نہایت آوارہ اور بدکردار بن جاتا ہے۔ انسان کے لیے زندگی کے ہر دور میں اس طرح متغیر ہو جانے کے امکانات پائے جاتے ہیں۔

ایک ہی ماحول میں پرورش پانے والے بچوں میں فرق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بچوں میں مذاق اور رجحانات کے کچھ فرق موجود ہوتے ہیں۔ بچہ کسی چیز کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اور بعض چیزوں سے تغافل برتتا ہے۔ جس چیز کو وہ زیادہ اہمیت دیتا ہے وہ اس کے اندر زیادہ نشوونما پاجاتی ہے اور وہ اس کی گہری چھاپ لے لیتا ہے۔ دوسری چیزوں کی اس کے اندر حس ہی پیدا نہیں ہونے پاتی اور اس کا داعیہ آہستہ آہستہ ضعیف ہو جاتا ہے۔

علامہ اقبال اور حقیقتِ وحی

سوال: علامہ اقبال نے وحی کی نفی کی ہے وہ کہتے ہیں کہ وحی ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے جب کہ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ وحی فرشتوں کے ذریعے نازل ہوتی ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: علامہ اقبال کا کلام، جب کبھی مجھے فرصت ہوتی ہے، میں پڑھتا ہوں۔ جہاں تک میں ان سے واقف ہوں مجھے ان کی باتیں معقول معلوم ہوتی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں دین اور حکمت کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کلام میں مجھے کہیں ایسی فضول بات نظر نہیں آئی، جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ باقی رہ گئے ان کے خطبات تو ان میں انہوں نے کچھ ایسی باتیں کہی ہیں جو میرے نزدیک قابل اعتراض ہیں لیکن ان میں بھی یہ بات میں نے نہیں پڑھی۔ ہو سکتا ہے کسی نے غلط روایت کر دی ہو یا کہیں علامہ صاحب نے فلاسفہ کا کوئی خیال نقل کیا ہو اور وہ خود ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔

آپ نے جو خیال نقل کیا ہے یہ فارابی نے پیش کیا ہے۔ فارابی کے نزدیک وحی اندر کی کیفیات کا ایک بخار ہوتا ہے۔ میں فارابی کو لغو قسم کا آدمی سمجھتا ہوں۔ فارابی اور اس طرح کے دوسرے فلسفی صرف فلسفہ یونان کے ناقل تھے۔ یہ قابل ذکر لوگ نہیں ہیں۔ یہ اسلامی فلسفہ کو تو کیا سمجھتے، یونانی فلسفہ کے بھی وہ کچھ غلط ناقل ہی ہیں۔ یہی حال ہمارے متکلمین کا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں فلسفہ کی بحثوں میں ان نام نہاد اسلامی فلاسفہ کا حوالہ نہیں دیا کرتا۔

عبداللہ غلام احمد

علوم القرآن

مجلہ "علوم القرآن" ایک ششماہی رسالہ ہے جو ادارہ علوم القرآن، سرسید نگر، علی گڑھ، بھارت، سے شائع ہوتا ہے۔

مغرب کی بالادستی نے مسلمانان عالم کو نہ صرف سیاسی آزادی سے محروم کیا بلکہ ان کو ذہنی طور پر بھی متاثر کیا۔ اہل مغرب نے مسلمانوں کے اس انحطاطی دور سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کے دانشوروں نے جنہیں عرف عام میں مستشرقین کہا جاتا ہے اسلام کے خلاف صدیوں پرانی عداوت اور تلخی کو تحقیق و تنقید کے خوبصورت نام سے پیش کیا۔ انہوں نے علم و تحقیق کے پردہ میں اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے متعلق شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں پھیلانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ خاص طور پر قرآن مجید، ان کی 'عنایات' کا مرکز رہا۔ وہ سمجھتے تھے قرآن مجید ہی منبع رشد و ہدایت ہے اگر وہ مسلمانوں کو اس سے بدظن کر سکے تو ان کی بڑی کامیابی ہوگی۔ اگرچہ یہ لوگ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں رہے تاہم ان کا شائع کردہ لٹریچر بدستور اسلام کے خلاف بے شمار غلط فہمیاں اور گمراہیاں پھیلاتا رہتا ہے۔ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں سے کچھ لوگ اس سے خاصے متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان مستشرقین کے کام کا جائزہ لیا جائے اور مسلمانوں کے سامنے صحیح صورت حال پیش کی جائے۔ ادارہ علوم القرآن نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس نیک کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور قرآن مجید پر تحقیقاتی مقالے شائع کر رہا ہے۔ اس کے مقالہ جات قرآن مجید کے مختلف علوم اور پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔ علوم القرآن ایک معیاری رسالہ ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مقالات کا معیار بہت اعلیٰ ہے۔ ہر مقالہ کو حواشی اور مراجع سے باقاعدہ مزین کیا گیا ہے جس سے ان

کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

مقالات کے علاوہ قرآنیات سے متعلق کتابوں پر تبصرے اور خبرنامہ قرآن بھی مجلہ کا ایک حصہ ہیں۔ یہ حصہ نہایت مفید معلومات مہیا کرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں قرآن مجید پر کہاں کیا کام ہو رہا ہے۔ یہ معلومات قاری کے لیے بہت مفید اور حوصلہ افزا ہیں۔

مجلس مشاورت اور مقالہ نگاروں میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کا تعلق مدرسۃ الاصلاح سے ہے اور مولانا حمید الدین فراہیؒ کی فکر سے ہم آہنگ ہیں۔

رسالہ کی کتابت و طباعت نہایت دیدہ زیب ہے اور یہ قرآنیات کی اشاعت کے لیے ایک قابل قدر کوشش ہے۔

مجلہ سالانہ

مدیر: مقصود احمد اعظمی

ناشر: انجمن طلبہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ (انڈیا) کی نشوونما اور ترقی میں مولانا حمید الدین فراہی مرحوم، مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم اور مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ جیسی یگانہ شخصیتوں نے شب و روز محنت کی ہے اور یہ ادارہ فکر فراہی کا علمبردار بن کر ابھرا ہے۔ اس میں طلبہ کی فکری تربیت اور ان کے اندر تحریر و تقریر کی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے لیے انجمن طلبہ قائم ہے۔ زیر نظر مجلہ اسی انجمن نے شائع کیا ہے۔ اس میں خوبی کی بات یہ ہے کہ بزرگوں کی تحریریں تو بس تین چار ہی ہیں جو معلوم ہوتا ہے تبرک کے لیے شامل کی گئی ہیں۔ لیکن باقی تین درجن مضامین تمام تر طلبہ کے قلم سے ہیں اور تقریباً دو سو صفحات پر محیط ہیں۔

طلبہ کے مضامین قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، دعوت دین اور مسائل امت کے موضوعات پر ہیں اور نہایت سلیقے سے لکھے گئے ہیں۔ ان کی زبان اردو، عربی اور انگریزی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ کو ان تمام زبانوں میں لکھنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ مجلہ کے مدیروں نے حسن ترتیب کا خیال رکھا ہے اور ایک ایسا رسالہ پیش کیا ہے جو توقعات سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے انجمن کے نام اپنے پیغام میں کہا ہے کہ استاد امام فراہیؒ کے فکری

ورثہ کے اندر وہ توانائی اور صلاحیت ہے کہ اس چیلنج کا مقابلہ کر سکے جس سے اس وقت ملتِ اسلامیہ دوچار ہے۔ ضرورت ہے کہ اس فکر کو ہر مقام اور ہر پلیٹ فارم سے عام کیا جائے۔ مولانا نے کہا ہے کہ چونکہ مدرستہ الاصلاح اس عظیم فکری امانت کا امین ہے اس لیے اس میں فکرِ فراہیؒ کے ہر گوشہ پر برابر تحقیق و جستجو کا کام ہوتے رہنا چاہیے۔

عظمت کے پھول

تالیف: محمد عظیم الدین صدیقی، خطیب جامع مسجد اقصیٰ - کورنگی - کراچی ۳۱

ناشر: مجلس حضرت عثمان غنیؓ کراچی۔

مجلس عثمان غنی کا قیام اس مقصد سے عمل میں آیا ہے کہ اکابر صحابہ کرامؓ جن کی تنقیص ایک ذرّہ کے ایمان کا حصہ ہے، کی عظمت کردار اور ان کی خدماتِ عالیہ کو نمایاں کرنے کے اقدامات کیے جائیں۔ یہ مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ سے متعلق جلسے اور مذاکرے منعقد کرتی اور کتابچے شائع کرتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں خلفائے راشدینؓ، سیدنا معاویہؓ و یزیدؒ اور سیدنا عائشہؓ کا تذکرہ شامل ہے۔ نیز دلدل اور ذوالفقار کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔ ایک مضمون میں حضرات حسنینؓ کی وفاتِ نبویؐ کے وقت عمر پر تحقیق کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت حسنؓ ۷ھ اور حضرت حسینؓ ۹ھ میں پیدا ہوئے۔

کتاب میں حوالے بکثرت دیے گئے ہیں جو عموماً شیعہ کی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ ۲۳۲ صفحات کی اس کتاب کی قیمت بیس روپے ہے۔

تالیفاتِ امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے پیسے
۱ مجموعہ تفاسیر فراہی	..-..
۲۔ اقسام القرآن	۵-۰۰
۳۔ ذبیح کون ہے	۵-۰۰

تالیفاتِ مولانا امین احسن اصلاحی

۱۔ تدبرِ قرآن: (مکمل سیٹ: ۹ جلد)	۹۹۰-۰۰
: فی جلد	۱۱۰-۰۰
۲۔ مبادیٔ تدبرِ قرآن	۳۶-۰۰
۳۔ اسلامی قانون کی تدوین	..-..
۴۔ اسلامی ریاست	..-..
۵۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۱۶-۰۰
۶۔ قرآن میں پردے کے احکام	۴-۰۰
۷۔ تنقیدات	۱۸-۰۰
۸۔ توضیحات	۲۱-۰۰
۹۔ تزکیۂ نفس: جلد اول	۴۵-۰۰
: جلد دوم	..-..
۱۰۔ مبادیٔ تدبرِ حدیث	..-..
۱۱۔ دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار	۳۳-۰۰
۱۲۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۳۶-۰۰
۱۳۔ حقیقتِ شرک و توحید	۵۶-۰۰
۱۴۔ حقیقتِ نماز	۱۸-۰۰
۱۵۔ حقیقتِ تقویٰ	۱۸-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

۱۳۲۔ فیروزپور روڈ، اچھرہ، لاہور — ۲۶۰۰۰ — پاکستان۔ فون: ۴۲۳۴۷۷